اللہ اکبر

پارسی علوم اور اسلام

مسلمانوں نے پارسیوں اور اُن کے علوم کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

فارسی پر عربی کے اثرات و احسانات

از

محمد مسلم ایم۔ اے، ایم۔ او۔ ایل

پروفیسر سینٹ کولمبا کالج۔ ہزاری باغ (بہار)

CHECKED
Date.....

قیمت فی جلد ۱۲/

(مکتبہ محمدیہ اسحاق زریں رقم)

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ
تصریح الزام	۱
(۱) سرجان ملکم	۲
(۲) دولت شاہ سمرقندی	۳
(۳) رضا قلی خاں مؤلف مجمع الفصحا	۴
(۴) محمد حسین آزاد	۴
تہذیب زبانِ ایران پر سامی اثر	۶
(۱) ارامی تحریر	۷
(۲) مینخی تحریر	۷
(۳) پہلوی تحریر	۸
پانچ صدیوں کی خاموشی	۹
مذہبی کتاب کھو بیٹھے	۱۰
نقص تحریر	۱۳
پانچ زبان اور سات رسم خط	۱۶
زبان کا اثر تہذیب مذہب پر	۲۱
سامی اثر مذہب ایران پر	۲۲
عربی اثر ادبیات و معاشرت ایران پر	۲۳
ایران کا تلمذ شام و عراق سے	۲۴
علمی و روحانی بخل	۲۶
فیضانِ اسلام	۲۷
قدیم علوم پارسی کی ہیئت کذائی	۳۲
(۱) شاعری	۳۲
(۲) کلام عرب کا تتبع	۳۵
(۳) بھاٹ یا شاعر	۳۸
دولت شاہی روایت	۴۰
فارسی اصطلاحات علمیہ	۴۱
پہلوی ادبیات باقیہ پر ایک نظر	۴۳
یونانی و پارسی تواریخ میں تناقض	۴۷
مجوس اور اسلام	۴۹
(۱) پارسی علوم ساتویں صدی ہجری تک	۴۹
(۲) تراجم	۵۰
(۳) دیگر کتب پارسی	۵۰
پارسی فاضل کی شہادت	۵۳
پروفیسر براون	۵۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پارسی علوم اور اسلام

تصحیح الزام کیانیوں اور ساسانیوں کی حکومت کے افسانے اُن کی فتوحات جاہ و جلال، اور عیش و عشرت کے تے ضرب المثل چلے آتے ہیں جمشید کے جشن اُسکے تخت، جام، آئینہ، انگشتری کی داستانوں نے دربار سلیمانی کی کہانی دلوں سے بھلا دی

فسانہ ہا کہ بیاریچہ روزگار سرود کنوں بمسند جمشید و تاج کے بستند

کیانیوں کی طاقت و اقتدار اور تہذیب و تمدن پر عام ساسانیوں کی حالت کو قیاس کر کے یہ فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے کہ ان کے پاس بھی علوم و فنون کا ایک عظیم الشان ذخیرہ ہو گا جسے فاتحین مابعد نے غارت کر دیا ہو گا چنانچہ اسی ظن پر افراسیاب، اور اسکندر اعظم کے ساتھ فاتحین اسلام پر بھی غارتگری کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ اسی قیاس کی بنیاد پر بعض تذکرہ نویسوں نے پارسی علوم و فنون کی خیالی رفیع الشان عمارتیں کھڑی کر لی ہیں بعض مو[illegible] نے مخصوص اغراض سے قصداً اس قسم کی غلط فہمی پھیلائی ہے۔

اس تخیل پردازی میں مورخین سیاسی اگر بانی نہیں تو شریک غالب کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں ان کے اعجاز مسیحی سے صرف ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا نہیں بلکہ

تمام تاریخ اسلام کا رنگ روپ کچھ سے کچھ ہوگیا - فارسی میں تاریخ ایران پر اگر کوئی سب سے کامل اور مبسوط تالیف ہے تو ایران کے انگریزی سفیر سرجان ملکم کی انگریزی تالیف کا فارسی ترجمہ ہے[1] ان کی زبان سے ذیل کا بیان جو دراصل مسلمانان ایران و عرب میں باہم غلط فہمی و منافرت کی کوشش کے سوا کچھ نہیں قابل غور ہے :-

> ہر یک از مورخین کہ با صدر اسلام معاصر بودہ اند نوشتہ اند کہ متابعین پیغمبر عرب از پایداری و لجاجی کہ ایرانیان در دفاع ملک و مذہب خویش نمودند چنان در خشم بودند کہ چوں دست یافتند ہر چیز کہ اسباب تقویت ملت دانستند عرضہ دمار و ہلاکت ساختند شہرہا با خاک یکساں و آتشکدہ ہا با آتش سوختہ شد - و موبدانے را کہ مواظب امور و مباشر خدمات معابد و ہیاکل بودند از تیغ گذرانیدند و کتب فضلائے امت عجم از ہر نکہ علوم مطلقا یا تاریخ یا کتب شریعت یا کسانیکہ ایں گونہ کتب در تصرف ایشاں بود در معرض تلف در آمدند عرب متعصب در آں ایام بجز قراں نہ کتاب بے مانند است نہ میخواست بداند - موبداں را مجوس می نامیدند ایشاں را ساحرے دانستند و کتب ایشاں را کتب سحرے پنداشتند و از حال کتب یونان و روم ہمتواں قیاس کرد کہ کتب ملکتے مثل ایران چہ قدر ازاں طوفان باقی خواہد ماند؟

نفس بحث کا اصولی جواب تو آگے چل کر دیا جائیگا - یہاں ناظرین صرف اس قدر ملاحظہ کرلیں کہ موبدان را مجوس مے نامیدند مجوس آخر کون سی گالی ہے؟

---

[1] گورنر بمبئی کے حکم سے مرزا حیرت ایرانی نے ۱۸۷۰ء میں اس کا فارسی ترجمہ کیا تاکہ اس کے بعد ایران بھیجا جائے ملاحظہ ہو دیباچہ مترجم مطبوعہ بمبئی ۱۸۷۳ء - [2] تاریخ ایران سرجان ملکم مطبوعہ بمبئی ۱۸۷۳ء صفحہ ۶۵ و ۶۸

یہ یونانی لفظ میگس سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دانا۔ اول اول کلدان کے حکیموں اور منجموں کا لقب تھا اس کے بعد مشرق کے حکماء و فیلسوف کے لئے مستعمل ہونے لگا اور قدیم پارسیوں کے پیشواؤں کے لئے ایک تعظیمی خطاب قرار پاگیا۔ ملکم صاحب کا لے گالی بنا دینا کس نیت سے ہے محتاج تشریح نہیں

(۲) پارسی ادبیات کی غارتگری کا الزام عرب فاتحین پر زیادہ تر مجمل اور غیر معین طور پر لگایا گیا ہے۔ اگر کسی شخص کے معین نام اور وقت کا حوالہ دیا گیا ہے تو وہ **عبداللہ بن طاہر** ہے جو کوئی بادشاہ نہیں خود مختار حکمراں نہیں خلیفہ نہیں بلکہ خلیفہ المعتصم عباسی کی طرف سے خراسان کا گورنر تھا۔ اور ۸۴۴ء میں وفات پائی۔ دولت شاہ سمرقندی جو اس روایت کا ذمہ دار ہے لکھتا ہے۔

نیز حکایت کنند کہ امیر عبداللہ بن طاہر کہ بروزگار خلفائے عباسی امیر خراسان بود روزے در نیشاپور نشستہ بود شخصے کتابے آورد و بہ تحفہ پیش او نہاد و پرسید کہ ایں چہ کتاب است؟ گفت ایں قصہ دامق و عذرا ست و خوب حکایتے است کہ حکماء بنام نوشیرواں جمع کردہ اند۔ امیر فرمود، کہ ما مردم قرآن خوانیم بغیر از قرآن و حدیث پیغمبر چیزے نمی خواہیم ما را ازیں نوع کتابے در کار نیست و ایں کتاب تالیف سخنان است دنیس مرد دروغ است فرمود تا آں کتاب را در آب انداختند و حکم کرد کہ در قلمرو من ہر جا کہ از تصانیف نجم و سخنان کتابے باشد

جملہ را نبوشتند۔ ازیں جہت تا روزگار آں سامان شعار عجم را ندیدہ اند و اگر احیانا نیز شعر گفتہ باشند مدوّن نکردہ اند۔"

(۳) رضا علی خاں بھی مجمع الفصحا میں جو ناصر الدین قاچار کے عہد میں ۱۸۸۲ء میں تصنیف ہوئی سرجان ملکم اور دولت شاہ کی بیانگی بنا پر اشعار عجم کے اتلاف کو نہایت دلیری سے عربوں سے منسوب کرتا ہے۔

"ظاہر است کہ اشعار قدیم شعرائے عجم بسبب غلبۂ عرب از میاں رفتہ چنانکہ مشہور است کہ تمام کتب و تواریخ عجمیہ عرب سوختند..... از کتب قدیم چیزے برجا نگذاشتند، الا قلیلے کہ پنہاں داشتند چوں کردم را تدغن لمنع نمودند قاعدہ سخن فارسی و شعر متروک شد۔"

(۴) منشی محمد حسین آزاد مرحوم کی نوحہ خوانی کے لئے اتنی چھیڑ کافی تھی۔ انھوں نے حسب عادت بلا حوالہ و سند عرب قبائلیں کی وحشت کا ماتم کیا ہے۔ ان کا تو سن خامہ ہوائی میدان میں یوں طرارے بھرتا ہے۔

"ریگستان عرب سے ایک آندھی اوٹھی اس کے پیچھے گرجتا بادل بجلی چمکاتا تھا..... خلاصہ یہ کہ ساسانی سلطنت کا اقبال شمشیر اسلام کی قربانی ہو گیا۔

..... عابدشان آتش خانے ڈھائے گئے۔ دینی و دنیاوی کتابیں ورق ورق پارہ پارہ اڑیں اور جلکر خاک ورخاک ہو گئیں۔ اس وقت میں میرے پارسی بھائی وہاں سے بھاگے اور جانوروں کے ساتھ اپنے ایمانوں کو بھی بچا لائے....."

تحقیق کی آنکھیں روشن ہیں اُس گئے وقت پر جو کسی طرح نہیں آسکتا.....

ان خانہ بربادوں کے ہاں بھی تاریخ، اخلاق، افسانے، نظم و نثر سب کچھ ہوگا۔ کیا ان کی عبارتوں کا بھی یہی سیدھا سادہ بے تکلف رنگ تھا۔

افسوس افسوس آج اُس عہد کو کہاں سے لائیں اور جو کچھ فنا ہو گیا کیوں کر پائیں کہ دوستوں کو دکھائیں اور کچھ فائدہ اٹھائیں،،

آئیے ہم اس بھیانک منظر کو تاریخ کی روشنی میں دیکھ کر فیصلہ کریں آیا اس کی کوئی اصلیت ہے یا محض انشا پردازانہ طلسم بندی اس بحث کی تنقیح کے لئے ہم نے ذیل کے چار مسائل کا استقصا کیا ہے۔

(۱) قدیم ایرانی تہذیب اور زبان ہمیشہ سے سامی تہذیب و زبان کے زیر اثر رہی ہے خود ایرانی زبان نہایت ناقص تھی اور علوم کی متحمل نہ تھی

(۲) اسلام کی فتح ایران کے وقت ایران دولت علم سے تہی دست تھا۔

(۳) پہلوی اور فارسی کے قدیم ترین نمونے اور ان کی کیفیت و کمیت۔

(۴) عربوں نے اہل ایران اور ان کے علم و مذہب کے ساتھ واقعی کیا برتاؤ کیا ہے خود پارسی اور غیر مسلم مورخین کی معتبر شہادتیں۔

تہذیب و زبان ایران پر سامی اثر

ایران قدیم تسلاً ہند و یورپ سے خواہ کچھ ہی واسطہ رکھتا ہو مگر اس کی تہذیب و تمدن کا رشتہ ناطہ عہد قبل التاریخ سے دور جدید تک سامی[1] اقوام کے ساتھ رہا ہے۔ بالخصوص علوم و فنون میں تو ہمیشہ اسے سامی دماغ ہی کا منت کش رہنا پڑا ہے۔ حضرت مسیح سے آٹھ سو سال پیشتر سے جب اشوریہ کلدان اور بابل کی تہذیب و تمدن کے نقارے دور دراز ممالک تک گونج رہے تھے، ایران ان کے اثر سے محفوظ نہ رہا۔ اشوری کتبوں سے ہمیں پتہ ملتا ہے کہ آٹھ سو سال قبل مسیح سے چھ سو سال قبل مسیح تک تقریباً دو صدی ایران پر ملوک ماہ (اہل میڈیا) کے دور میں اہل اشوریہ کا قبضہ رہا ہے۔ پھر پیشدادی دور میں ایران غلامی کا جوا کندھے سے اوتار کر نہ صرف آزاد ہو گیا بلکہ ۵۳۹ قبل مسیح تک بابل پر قابض ہو گیا۔ اور سلطنت کلدانی اور شام و فلسطین ان کے وسیع مفتوحات میں داخل ہو گئے۔ لہٰذا ایران دو صدی تک بحیثیت مفتوح اور شاید اسی قدر یا کم بحیثیت فاتح سامی تہذیب و تمدن سے متاثر ہوتا رہا۔ اسی لئے پروفیسر براؤن صاحب پارسی قدیم کی تخلیق اور پہلوی کی تحصیل کیلئے سنسکرت کے مقابلہ میں عربی و آرامی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

---

[1] سامی اقوام میں اہل اشوریہ کلدانی، یہودی، اہل فینیشیا، آرامی، عرب، اہل الحدیبیا (شمالی افریقہ) داخل ہیں۔

"یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ تاریخ ایران کے ہر دور میں ایران پر سامی اثر بہت زیادہ رہا ہے۔ آخری ساسانی اور اسلامی دور میں عربی اثر، اس سے پیشتر کے ساسانی اور آخری اشکانی دور میں، **ارامی** اور اس سے پہلے اشوری[1]"

ارامی تحریر قدیم ایرانی کتبے ہمیں صاف بتاتے ہیں کہ ماہ ملکوں اور میڈیا دیوں ہی کے عہد سے ارامی زبان اور تحریر ارامی علاقوں سے باہر بھی تمام دستاویزوں اور سکوں میں مستعمل تھی۔ مشہور مستشرق پروفیسر نولدیکی کا بیان ہے کہ ارامی زبان مشرق میں، وادی فرات پر اور ارمنی اور کردی پہاڑی علاقوں میں، دجلہ کے جنوب و مغرب میں بولی جاتی تھی۔ بلکہ وہ سارا صوبہ جہاں **ارساسیس** اشکانی اول (۲۵۰ قبل مسیح) اور ساسانی بادشاہوں کا پایۂ تخت تھا **ارامی ملک** کہلاتا تھا۔ اہل ایران عمدہ طرز تحریر سے ناآشنا تھے اس لئے ان کو ارامی تحریر اختیار کر لینے میں قریب قریب ویسی ہی سہولت تھی جیسی بعد کو فارسی میں عربی رسم خط کے داخل ہونے سے حاصل ہوئی

میخی تحریر ایران میں **میخی**[2] طرز تحریر نشیبی فرات اور دجلہ کے راستے پہنچا۔ جہاں یہ طرز ایک مدت تک جاری رہا۔ ماہ ملکوں (میڈیوں) اور ہیخامنشی بادشاہوں کے عہد کی میخی تحریر نہایت ناقص اور مشتبہ الاشکال ہے

---

[1] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد اول باب ۱ [2] یہ تحریر کیلوں کی سی ہوتی ہے نوک سے مشابہ ہوتی ہے اس لئے اسے میخی کہتے ہیں۔

اس کے لغات کی مجموعی تعداد چار سو سے زیادہ نہیں جہاں اس ناقص تحریر میں کتبے دیکھے گئے ہیں اُن پر غالباً اسی دقت کی وجہ سے دو تین اور زبانوں میں ترجمے بھی پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک سامی زبان ہوتی ہے۔ دوسری کا پتہ اب تک نہیں چلا بعض اوقات وہ دوسری زبان یونانی ہوتی ہے۔ دوسری دقت میخی تحریر میں یہ تھی کہ یہ چٹانوں اور پتلی پتلی اینٹوں پر کھودنے ہی کے لئے موزوں تھی۔ جب باریک چمڑے بجائے کاغذ کے ایجاد ہوئے تو ان پر یہ تحریر آسانی سے لکھی نہ جا سکتی تھی۔

پہلوی تحریر آخر دارائے اول کے عہد میں پہلوی یعنی پارتھیا والوں (اشکانیوں) کا طرز تحریر اختیار کیا گیا۔ مگر اس کا استعمال صرف حکومت کے لئے مخصوص تھا۔ اس تخصیص کا نتیجہ بقول پروفیسر ایتھے یہ ہوا کہ "پارسی زبان سرعت کے ساتھ زوال پذیر ہو گئی۔ اردشیر سوم (متوفی ۳۳۸ قبل مسیح) کے کتبے سے فارسی زبان ایک نہایت میلے کچیلے لباس میں لاوارث سی دکھائی دیتی ہے۔ دوسری طرف پارسی کے دوش بدوش ارامی زبان۔ مدت دراز سے تجارتی اور مشترک زبان کی حیثیت سے تمام ملک میں پھیل گئی تھی اور خوب پھل پھول رہی تھی خصوصاً حکومت ایران کے نصف مغرب کے تمام دستے، قانون، اور سرکاری دستاویزیں ارامی زبان ہی میں لکھی جاتی تھیں۔ یہاں کے صوبہ دار اور فوجدار عموماً اپنے سکے اسی

زبان میں ڈھالتے تھے۔"

پانچ صدیوں کی خاموشی

اسکندر کے فتح ایران کے بعد سے تقریباً ساڑھے پانچسو سال تک ہمیں زبان پارسی کی کوئی تحریر نہیں ملتی جھوٹ یا سچ اس فاتح پر بھی یہی الزام چلا آتا ہے کہ اس نے شرفاء و علماء ایران کو قتل کر دیا، شہر مسمار کرائے، تمام کتابوں کو آگ لگا دی، اس کے ساتھ ہی موسیٰ بن عیسیٰ الکسروی خدائے نامہ سے ناقل ہے کہ سکندر اپنے مطلب کی کتب نجوم، طب، فلسفہ، زراعت اسکندریہ اٹھوا لے گیا اور یونانی و قبطی زبانوں میں ان کے ترجمے کرائے۔ اس کے بعد ایران علم سے خالی ہو گیا، اور جلوس اردشیر تک تمام عہد اشکانی یا ملوک الطوائف میں ایران میں کوئی ایسا شخص پیدا نہ ہوا جو علم کو زندہ کرتا یا حکمت کی کوئی بات بھی سمجھ سکتا۔"[1]

یونانی تسلط کے زمانہ میں مصنفین یونان نے جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکندر نے ایرانی مردوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیا اور ایرانی عورتوں کو اپنے سپاہیوں، امیروں اور تمام یونانی باشندوں کے تصرف میں دیکر ایران کی قوم کو یونان میں جذب کر لیا تھا یونانی عصمت فروش عورتیں بھی کثرت سے ایران پہونچی تھیں جن کی اولاد اور تجار نے ایران کی

---

[1] تاریخ سنی ملوک الارض حمزہ اصفہانی مطبوعہ برلن ۱۳۴۰ھ صفحات ۱۸-۳۰-۳۲

[2] ملاحظہ ہو مضمون پروفیسر ایتھے مندرجہ انسکلوپیڈیا برٹینیکا تحت "پرشیا" پروفیسر نولدیکی تحت "پہلوی"

ہستی من حیث القوم باقی چھوڑی۔ نہ ان کا خون ایرانی رہا تھا۔ نہ ہڈی، نہ دماغ۔ پھر وہ زبان کیونکر خالص ایرانی باقی رہتی جو زمانۂ حکمرانی میں ناقص رہی تھی۔

مذہبی کتاب کھو بیٹھے معلوم ہوتا ہے کہ اشوریہ کے براہ راست اثر کے زائل ہوتے ہی ایران جہل کی تاریکی میں مبتلا ہو گیا۔ اہل مشرق کو مذہب دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز رہا ہے مگر ایرانی اپنی مذہبی کتاب کی حفاظت بھی نہ کر سکے اور بہت جلد **اوستھا** کی زبان سے ناآشنا ہو گئے۔ محققین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ساری اوستھا زرتشت کا کلام نہیں۔ بعض تو یہاں تک قائل ہیں کہ اوستھا میں ایک لفظ بھی زرتشت کا نہیں یہ تو شاید مبالغہ ہو مگر اتنا مسلم ہے کہ یہ ایک مصنف یا ایک عہد کا کلام نہیں بلکہ جرمن مستشرق گیلڈنر کی تحقیق کے مطابق عہد شاپور دوم یعنی سنہ ۳۷۹ء تک اس میں اضافے ہوتے رہے ہیں۔ اس میں صرف ایک مختصر حصہ **گاتھا** جو کچھ سناجاتوں کا مجموعہ ہے اغلباً زرتشت ہی کا کلام ہے باقی الحاق۔

پروفیسر براؤن اپنی معرکۃ الآرا تاریخ علوم ایران میں اوستھا کی قدامت پر بحث کرتے ہوئے اسی آرین و سامی تعصب کی نسبت ایک حیرت انگیز حقیقت کو منکشف کرتے ہیں۔

"ایک دن میں نے موسیو ایلیوٹی[1] سے اوستھا کے تذکرے کے موقع پر سوال کیا کہ حضرت آپ نے فضلاجو اوستھا کی اتنی قدامت کے مدعی ہیں اپنے دعوی پر کوئی دلیل نہیں رکھتے؟۔

انہوں نے جواب دیا "ہاں سب سے بڑی اور کافی دلیل سامی اقوام سے اُن کی نفرت اور آریہ نژادی پران کا مخصوص مباہات ہے۔ یہودیوں کو آپ یہ نسل پر کسی قسم کی اولیت یا فضیلت دینے سے وہ اس قدر کارہ ہیں کہ زرتشت کے چمکانے کو وہ موسیٰ پر خاک ڈالتے ہیں۔ ایک ہاتھ سے وہ حلف بنی اسرائیل کو دباتے دوسرے ہاتھ سے وہ اوستھا کو اُچھالتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو نہایت حسرت کا مقام ہے کہ منحوس جذبہ نسلی جو دنیا میں بے شمار جرائم کا موجب ہو چکا ہے اُس رفیع منزل کو بھی سالم نہ رہنے دے جہاں ان شہوات رذیلہ کو کوئی دخل نہ ہونا تھا ان تعصب نسلی رکھنے والے مسیحی یا لامذہب مصنفوں سے زیادہ قابل تاسف ہمارے وہ مسلمان اہل قلم ہیں جو اپنی نسلی عصبیت کے جوش میں اپنے مذہب کی روایات تاریخی پر داغ تہمت لگانے اور جھوٹے جذبہ نسلی پر سچی حرمت دینی کو قربان کرنے میں تامل نہیں کرتے

الغرض ہمارے پاس ایران کی عہد عتیق کی تنہا یادگار اوستھا کا یہی ایک باب ہے جو صرف ایک پارسی کا تحفہ ہے

[1] جوزف ایلیوٹی وہ فرانسیسی مستشرق ہے جو ۱۸۷۰ء میں یہودی کے بھیس میں صنعاء کے مشرقی مقام حوف میں جا پہنچا جہاں ۲۴ سو سال قبل مسیح سے لیکر اس وقت تک کسی یورپین کے قدم نہیں پہنچے تھے جہاں اس کو ایسے خطرات و مصائب جھیلنے کے بعد یہ تقریباً سات سو حمیری کتبوں کی نقلیں لانا جنسے نہایت قیمتی معلومات تاریخی حاصل ہوئیں

مگر ہم تمام الحاقات مابعد کو بھی اوستھا میں شامل سمجھیں تو جو لٹریچر ہمارے پیش نظر ہوتا ہے وہ ایک قوم کی دماغی ترقی کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہونا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ ہم بلکہ اکثر پارسی حضرات بھی اوستھا کو اصل زبان میں نہیں پڑھ سکتے لہذا پروفیسر براؤن صاحب کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں۔

"تاریخی حیثیت سے یا زرتشت کے عقائد کا مرقع اور قدیم مذہب کی یادگار ہونے کے لحاظ سے یہ کیسی ہی کارآمد کتاب ہو مگر نہ تو یہ خوشگوار ہے نہ دلکش۔ میں اپنی نسبت تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایک طرف قرآن کو جوں جوں آگے پڑھتا جاتا ہوں لطف بڑھتا جاتا ہے اور شوق سے اُنکا مطالعہ کرتا اور اس کے مدعا کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں، دوسری طرف اوستھا کا مطالعہ بدمزگی اور تنفر پیدا کرتا ہے اور یہ کیفیت مزید مطالعہ کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔ کچھ لوگ تحصیل زبان، تحقیق مذاہب، دریافت آثار قدیمہ کی غرض سے، اور بعض لوگ الہامی کتاب سمجھکر بھی اسے پڑھ تو لیا کریں گے مگر مجھے تو یقین نہیں کہ اس کا ترجمہ خواہ کیسا ہی دلچسپ کیا جائے معمولی طبیعت کے کتب بیں جو کتابیں دلچسپی کے لئے پڑھا کرتے ہیں، شروع سے آخر تک پڑھنے کی زحمت گوارا کریں گے۔"

دور کہاں جایئے خود اوستھا پر ایمان رکھنے والے مجوسی تھوڑی

ہی عرصہ میں اوستھا کے سمجھنے سے عاجز نظر آنے لگے نظام الملک طوسی سیاست نامہ میں مزدک کی بحث میں کہتا ہے "مزدک گفت مرا فرستادہ اند تا دین زردشت تازہ گردانم کہ خلق معنی زند و استا فراموش کردہ اند ..... موبدان گفتند ..... در زند و استا سخنان است کہ ہر سخن را معنی دارد و ہر موبدے و دانائے را در او قولے و تعبیرے بنیٹ[1]

اس کا سبب تاخت اسکندری کے علاوہ زیادہ تر ایرانی طرز تحریر کا نقص اور اہل ایران کی علم سے بے نیازی تھا۔ عہد اسکندری سے حکمت یونان کی جو کچھ روشنی ایران میں پہنچنے لگی تھی وہ بھی بہت جلد حکومت یونان کے زوال کے ساتھ زائل ہو گئی۔

نقص تحریر

بقول پروفیسر ایتھے ۶۴۲ء تک یونانی تہذیب و تمدن کا نشان ایران سے مٹ گیا اور اس کی جگہ پھر ارامی نے لے لی۔ اسی زبان میں سکے ڈھالے جاتے تھے یہ ساسانی دور تھا اس عہد میں اہل ایران اپنے طویل خواب جہالت سے کچھ بیدار ہوئے پہلے انسان کو مذہب کی فکر ہوتی ہے اونہوں نے دیکھا کہ اوستھا سمجھ میں نہیں آتی تو موبدوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان سے پہلوی میں

[1] صفحہ ۱۶۷ مطبوعہ پیرس ۱۲

اوستھا کا ترجمہ اور شرح لکھوائی جسے زند کہتے ہیں بقول پروفیسر گیلڈنر ترجمہ اصل زبان سے ان کی ناواقفیت وجہالت کا پتہ دیتا ہے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد زند بھی اوستھا کیطرح چیستان بن گئی اور شرح ومتن میں کوئی فرق نہ رہا آخر زند کا ترجمہ جدید پہلوی میں کرنا پڑا جسے پاژند کہتے ہیں۔

جس پہلوی میں زند لکھی گئی ہے اور جس میں اردشیر کے کتبے پائے جاتے ہیں اس کی ایک عجیب وغریب خصوصیت یہ ہے کہ لکھتے کچھ ہیں اور پڑھتے کچھ ہیں۔ تحریر میں کثرت سے ارامی الاصل الفاظ ملتے ہیں جو صرف اسم وفعل تک محدود نہیں بلکہ حروف، اسماء اشارہ ضمائر واعداد تک کو شامل ہیں۔ مگر پڑھنے والے اسے اور طرح پڑھتے تھے مثلاً نقش رستم میں اردشیر بابکان بانی خاندان ساسانی کا یہ کتبہ جو دو قسم کی پہلوی، کلدانی وساسانی تراجم سمیت درج ہے۔

"پیکری زنا مزدیسن بگی ارخشتر ملکان ملکا ایران منوچتری من یزتان یزاپاپکی ملکا

ترجمہ

شبیہ اوس مزدا پرست دیوتا اردشیر شاہنشاہ ایران دیوتاؤں کی روحانی اصل رکھنے والے شاہ پاپک کے بیٹے کی۔

الفاظ خط کشیدا رامی ہیں۔ مگر پڑھنے والے زنا کو آن، ملکان ملکا کو شہنشاہ، من کو از، پرا کو پور اور ملکا کو شاہ پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح لحمہ کو نان، بسرہ کو گوشت، نفس کو خویش وخود، لک کو تو، لنا کو اما (ما)، ہنا کو ای (این) اب کو پت (پدر) پڑھتے تھے۔ ابن المقفع پہلوی میں ایسے الفاظ کی تعداد ایک ہزار بتاتا ہے، اور متشابہات کی مثال یوں دی ہے۔

مثال ذالک انہ من اراد ان یکتب گوشت کتب بسرا ویقراہ گوشت علی ھذا المثال ... واذا اراد ان یکتب نان کتب لحما ویقرءہ نان علی ھذا المثال وعلی ھذا کل شیء اراد وان یکتبوہ	مثلاً اگر گوشت لکھنا ہو تو لکھتے تھے بسرا (یعنی .....) اور پڑھتے تھے گوشت اگر نان لکھنا ہو تو لکھتے تھے لحما (یعنی بسی) اور پڑھتے تھے نان غرض جو لکھنا ہوتا تھا اسی طرح لکھتے تھے

اس طرز کا نمونہ کسی قدر انگریزی تحریر میں ملسکتا ہے جس پونڈ کیلئے ℔ل لکھتے ہیں جو لاطینی لفظ لبرا Libra کا مخفف ہے اور پڑھتے پونڈ ہیں۔ اسی طرح ڈینارس Denarius کا مخفف ڈ لکھکر پنس پڑھتے ہیں۔ یا مروجہ اردو سیاق کو لیجئے کہ ع عہ سہ لعہ صہ معہ تمام رقوم ہلا استثنا عربی الفاظ کی مخفف صورتیں ہیں مگر پڑھتے اپنی زبان میں ہیں۔ انگریزی اردو میں تو

ایسی مثالیں بر سبیل استثنا ہیں مگر پہلوی میں ارامی الفاظ کی بھرمار ہے۔

پانچ زبان اور سات رسم خط

ابن المقفع متوفی ۷۶۰ء

جو مجوسی سے مسلمان ہوا تھا۔ پہلوی کا بہت بڑا عالم تھا اور بہت سی منتخب بادشاہ کتابیں پہلوی سے عربی میں ترجمہ کیں۔ ایران کے متعلق علوم و فنون مذاہب و رسوم اور تمام معلومات تاریخی و علمی کے لئے اس شخص کا کلام سند مانا جاتا ہے۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں پانچ مختلف زبانوں اور سات مختلف رسم خط کا خلط مبحث تھا اور ہر طبقہ کیلئے علیحدہ علیحدہ زبانیں مخصوص تھیں الفہرست ابن الندیم سے ہم ان کی تفصیل ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں

قال عبد اللہ ابن المقفع لغات الفرس[۱] عبد اللہ ابن المقفع کا بیان ہے کہ فارسی زبانیں

الفهلوية والدرية الفارسية والخوزية والسريانية الفهلوية فمنسوب الى فهله اسم رقيم على خمسة بلدان وهى اصفهان والرى وهمذان وماه نهاوند وآذربيجان اما الدرية فلغة صدان المدائن . . . . واما

یہ ہیں۔ پہلوی جو پہلہ کی طرف منسوب ہوئی نام کا اطلاق پانچ شہروں، اصفہان، رے ہمدان، ماہ نہاوند اور آذربیجان، پر ہوتا ہے دری مدائن کے شہروں کی زبان ہے... فارسی زبان میں موبد اور علماء وغیرہ کے قبیل کے لوگ کلام کرتے ہیں اور یہ اہل

[۱] الفہرست ابن الندیم مطبوعہ لیپزگ صفحہ ۱۴-۱۲۔

الفارسية فتتكلم بها الموابذة والعلماء
واشباههم وهي لغة اهل فارس
واما الخوزية فبها كان يتكلم الملوك
والاشراف في المجلوة ومرتضع اللعب
واللذاذة ومع الحاشية واما السّرْيانية
فكان يتكلم بها اهل السّرو والمكاتبة
في نوع من اللغة السريانى فارسى ـ
وقال ابن المقفع للفرس سبعة انواع
من الخطوط منها كتابة الدين ويسمّى
دين دفتريه يكتبون بها الوستاق
وهذا مثالها..... وكتابة
اخرى يقال لها دبيش ودبيريه وهي
٣٦٥ حرفاً يكتبون بها الفراسة
والزجر وخرير الماء وطنين الاذان
واشارات العيون والايماء والغمز و
ماشاكل ذلك ولم يقم لاحد
قلمها ولا في اسماء الفرس من يكتب

فارس کی زبان ہے خوزی سلاطین اور
رؤسا کی تنہائی اور عیش و جشن کی زبان ہے
سریانی میں غلام گفتگو کرتے تھے۔

ابن المقفع کہتا ہے کہ اہل فارس کے ہاں
سات تحریریں جاری تھیں ایک دینی رسم
خط جس میں اوستا کے تمام حصص لکھے جاتے
تھے اس کا نمونہ یہ ہے..... دوسری
دبیش و دبیریہ کہتے تھے یہ ۳۶۵ حرفوں پر
مشتمل تھی۔ یہ سحر شعبدہ فال اور رمز و کنائے
لکھنے کیلئے مخصوص تھی۔ اس کا نمونہ میری
نظر سے نہیں گذرا۔ تیسری کتابت کیانیں
کے حروف تھے وستاویزیں اور وثیقے
اسی تحریر میں لکھے جاتے تھے۔ چوتھی

بها اليوم ..... وكتابة اخرى
يقال لها الكستج وهي ثمانية وعشرون
حرفا يكتب بها العهود والمواريث
والقطائع وبهذه الكتابة كانت
تنقش خواتيم الفرس وطرزيثابهم
وفرشهم وسكة دنانيرهم ودراهمهم
وكتابة اخرى يقال لها نيم كستج
بها الطب والحكمة وكتابة اخرى يقال
لها الشاه دبيريه وكانت على
كل عاجم يتكلمون بها فيما بينهم
دون العوام ويمنع منها سائر الناس
الملكة حذرا من ان يطلع على اسرار
الملوك من ليس بملك ولم تقم لنا
وكتابة الرسائل على ما جرى
به اللسان وليس فيها نقط ويكتب
بعضها بلغة الترجمانة الاولة التي
يتكلم بها اهل بابل ويفرح بالفارسية

کپڑوں، پردوں، فرغلوں، سکوں پر
یہی منقوش ہوتی تھی اس کا نمونہ یہ ہے
..... چوتھی کتابت نیم کستج تھی جس میں
۲۸ حروف تھے طب وحکمت کے لئے
مخصوص تھی اس کا نمونہ یہ ہے .....
پانچویں کتابت شاہ دبیریہ بادشاہوں
کی گفتگو کے لئے مخصوص تھی اور تمام رعایا
ملک کے لئے ممنوع تھی تاکہ بادشاہوں
کے راز کھلنے نہ پائیں اس کا نمونہ میرے منظر
سے نہیں گزرا ..... چھٹی
تحریر نامہ دبیر یہ کہلاتی تھی - یہ بے نقط
تھی اس کے اکثر الفاظ سریانی میں لکھے
جاتے تھے جو اہل بابل کی زبان تھی اور
فارسی میں پڑھے جاتے تھے اس میں ۳۲
حروف تھے یہ رعایا کے لئے عام تھی اور
نمونہ یہ ہے ..... ساتویں تحریر
راز سہریہ تھی جس میں سلاطین اپنے

وعدد حروفها ۳۲ يقال
لها نامه زيريه وهي
لسائر اصناف المملكة خلا الملوك فقط
وهذا مثالها .....
وكتابة اخرى يقال لها
راز سهريه كانت الملوك تكتب
بها الاسرار مع من يريدون
من سائر الامم وعدد
حروفها واصواتها اربعون
حرفا لكل واحد من
الحروف الاصوات صورة
معروفة ..... ولهم
كتابة اخرى يقال لها راس
سهريه يكتب بها المنطق و
الفلسفة وهي ۲۴ حرفا
وفيها نقط ولم تقع الينا[1]

راز کی باتیں لکھا کرتے تھے ہیں کے حروف
اور آوازوں کی تعداد ۴۰ ہے .....
ان سات کے علاوہ ان کی ایک تحریر
تھی راس سہریہ جس میں منطق اور فلسفہ
لکھے جاتے تھے اور ۲۴ حروف منقوط تھے۔
اس کا نمونہ میری نظر سے نہیں گذرا ....[2]

(تم کلام)

اسی طرح حمزہ اصفہانی کا بیان ہے
کہ مجوس کی تمام کتب تاریخ محرف وغیرہ
صحیح ہیں اس لئے کہ وہ ڈیڑھ سو برس کے
بعد ایک زبان سے دوسری زبان میں اور
ایک خط سے جو اعداد سے مشابہ تھا دوسرے
خط (پہلوی) میں نقل کی گئیں۔ اور اسی
کا نتیجہ تھا کہ ایک کتاب کے ترجمے مختلف
نظر آتے ہیں چنانچہ مجھے ایک خدائے
نامہ کے آٹھ مختلف ترجمے ملے[3]

[1] الفہرست ایضاً صفحہ ۱۲۳ [2] سنی ملوک الارض حمزہ اصفہانی مطبوعہ برلن ۱۳۴۰ھ صفحہ ۹

خلاصہ یہ ہے کہ ایک ملک ایران کے مختلف علاقوں اور جدا جدا سوسائٹیوں میں علیحدہ علیحدہ مقاصد کے لئے الگ الگ پانچ زبانیں اور آٹھ رسم الخط جاری تھے اور یہی راز ہے اس عہد کے ایران کی قومی پراگندگی و شکست اور علمی پستی کا۔

اس ناقص تحریر کی دشواریاں خود ساسانی عہد میں محسوس ہوئیں اسی لئے اوستا کا ترجمہ پازند کی صورت میں کرنا پڑا اور اسی سبب سے ایران کے کتبوں میں پہلوی متن کے نیچے کئی کئی ترجمہ پائے جاتے ہیں۔ واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایران نے فن تحریر (ارامی) سیکھ تو لیا مگر اس طرح ارمی الفاظ کے صرف نقوش اتار لیتے۔ اور ان کے معنی اپنی زبان میں سیکھ لیتے تھے ان کے مرادف الفاظ اُن کی زبان میں ہوتے بھی ہوں گے تو اُن کو لکھنا نہ آتا تھا۔ اسلئے بجنسہ ارامی الفاظ لکھتے اور پہلوی میں پڑھتے تھے۔ ایسی تحریر جسمیں دو سطر کتبہ بھی بغیر دو تین ترجموں کے پڑھا جانا متیقن نہ سمجھا گیا ہو، کسی لٹریچر کی حامل کیونکر ہو سکتی تھی؟ اس کو فنا ہونا تھا اور فنا ہو گئی۔ اسکے مٹانے کے لئے نہ عربوں کی تلوار کی ضرورت تھی۔ نہ عبداللہ بن طاہر کی آتش زنی و غرقابی کی۔

جس طور پر انہوں نے ارامی الفاظ پہلوی میں استعمال کئے ہیں اُن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کے صرف اشتقاق سے ناواقف

تھے۔ کیونکہ وہ "تو" ضمیر حاضر مرفوع کے لئے "اد" ضمیر حاضر مجرور اور "ما" (پہلوی اما) ضمیر متکلم مرفوع کے لئے "نمد" (عربی نا) ضمیر متکلم مجرور استعمال کرتے تھے۔ نوشتن یا بنشتن کیلئے وہ یکتبون تن لکھتے تھے۔ گویا یکتبون مادہ ہے جسمیں تن علامت مصدری لگاکر مصدر بنالیا۔ اسی طرح فارسی میں رشتوں کے ناموں میں در (پہلوی تر) مشترک پایا۔ جیسے پدر (پہلوی پتر) برادر (پہلوی برات) دختر وغیرہ۔ انھوں نے باپ کیلئے ارامی اب میں بھی تر لگادیا اور ابتر یعنی پدر کہنے لگے علی ہذا القیاس بہترے ارامی الفاظ کے طریق استعمال سے یہ قدرتی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ارامی لٹریچر سے جو یونانی علوم کا حامل تھا بالکل کورے تھے فتح اسکندری سے ساڑھے پانچسو سال تک کسی ایرانی علمی تحریر کا پتہ یا تہذیب و تمدن کا نشان نہ ملنا اور یہ حیرت انگیز تاریخی سناٹا زیادہ تر ایران کے اس نقص زبان و تحریری کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

زبان کا اثر تہذیب و مذہب پر | پروفیسر براؤن نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے[1]۔

"کیا نیوں کے سب سے پچھلے کتبوں کے مطالعہ سے ایک عجیب سوال

[1] ملاحظہ ہو مضمون پروفیسر نولدیکی مندرجہ انسکلوپیڈیا برٹینیکا بہ تحت "پہلوی" ۱۲

پیدا ہوتا ہے۔ کیا زبان کے زوال کو قوم کے زوال سے کوئی لطیف واسطہ ہی؟ انگریزی زبان کے فاضلوں کو میں نے کہتے سُنا ہے کہ اینگلو سیکسن (قدیم انگریزی زبان) کا جنگ ہیسٹنگز (۱۰۶۶ء) سے پہلے ہی صحیح لکھا جانا موقوف ہوگیا تھا اور نارمن حملہ سے پہلے ہی حالت زوال میں تھی۔ قدیم پارسی زبان کا حال بھی یہی تھا چنانچہ کتبوں کی تحریر میں صیغوں تک کی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ زبان کے زوال کے ساتھ مذہب کے بگاڑ کے آثار بھی شروع ہوگئے۔ دارا کے کتبوں میں اہرمن خدائے واحد و قادر مطلق بتایا جاتا ہے مگر بعد کو وہ متھر (مہر۔ سورج) اور اناہید (ناہید۔ زہرہ) کے ساتھ جذب ہوگیا۔"

سامی اثر مذہب ایران پر ایران قدیم پر سامی اثرات صرف زبان تک محدود نہ تھے بلکہ دین زرتشتی کے غائر مطالعہ سے مغربی نکتہ پردازوں نے خود اوستا، ژند اور پاژند میں سامی اصنام پرستوں کے عقائد کی آمیزش پائی ہے۔ چنانچہ مہریشت ۱۳ میں خدائے نور متھر (مہر۔ سورج) کی جو تشریح ہے وہ عہد عتیق میں بعل سے ماخوذ بتائی جاتی ہے اسی طرح خدائے آب اناہید (ناہید۔ زہرہ) کو بھی جس کا بت آرتخشتہ مینمن (نصب کرکے اسکی پرستش مجوسیوں میں جاری کردی تھی۔ بابلی دیوی میلتا کی نقل کہا جاتا ہے[1] فضلاء یورپ نے اہل ایران کی بت پرستی کی طرح ان

[1] ملاحظہ ہو فندادستا از ڈاکٹر ہیجل صفحہ ۱۱ و ۱۵، ۸۰ الیسیز ڈاکٹر ہاگ صفحہ ۶۷، ۲۰۳ و ۲۰۷ یسنا (اوستا) باب ۲۵ و ۵۳

کی توحید پر بھی سامی ہی اثر تسلیم کیا ہے۔ آثار عجم کے مشہور ماہر مسٹر طامس نے ۱۹۱۸ء میں حاجی آباد کے تمام پہلوی کتبوں کو شائع کیا اور ان سے یہ مسئلہ ثابت کیا کہ اکثر ملوک ساسانی یہود و نصاریٰ کے رب پر ایمان رکھتے تھے۔

تیسری صدی عیسوی کے آغاز کا مشہور مدعی نبوت مانی جس کی تعلیم و عقائد دسویں صدی عیسوی کے وسط تک ایران میں علانیہ و خفیہ کام کرتے رہے ۲۱۵ء میں بابل میں پیدا ہوا جہاں اس کا باپ ہمدان سے جا بسا تھا اور بابل ہی میں اس نے پرورش پائی بقول البیرونی یہ ایک شامی مسیحی باب فادروں کا شاگرد تھا مانی نے جس طرح اپنے مذہب کو مجوسی اور نصرانی ادیان سے اخذ کیا اسی طرح اپنا مخصوص رسم خط بھی جس میں اسکے صحیفے مرقوم ہیں مانی اور فارسی سے استخراج کیا چنانچہ ابن الندیم کا بیان ہے۔ استخرج مانی منها من المجوسیة والنصرانیة وکذالک القلم الذی یکتب لہ یاتی مستخرج من السریانی والفارسی ..... وهذا القلم یکتبون انا جیلهم فکتبوا شرائعهم[1]

عربی اثر ادبیات و معاشرت ایران پر

آخیر ساسانی دور میں بھی ایران عربی ادبیات کے اثر سے خالی نظر نہیں آتا بہرام گور (۴۳۰-۴۳۸ء) کو مندر فرمانروائے حیرہ نے فارسی عربی رومانی، زباؤں کی تعلیم دلوائی تھی۔ وہ عربی میں بہت مکلف شعر کہتا تھا۔ محمد عوفی نے اس کا عربی دیوان شعر دیکھا تھا اور لباب الالباب میں اس کے چند شعر بھی نقل کئے ہیں اور کلام عرب کے تتبع میں

[1] الفہرست مطبوعہ لیپزگ صفحہ ۳۲۸۔

فارسی شعر کا موجد اسی کو قرار دیا ہے۔ [1]

بعض دفعہ عربی زبان اور معاشرت کا اثر عشق کے درجہ تک پہنچ جاتا تھا اور شاہان حکمرانی بھی اس تاثیر سے مانع نہ ہوتی تھی عصر بنوی میں مملکت ایران کی طرف سے یمن کا عامل خرۃ خسرو بالکل متعرب بن گیا تھا عربی شعر و سخن کا چرچا اور مذاکرہ رکھتا عربی طرز پر تعلیم حاصل کی عربی معاشرت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ ایران سے اپنے تعلقات بھی منقطع کر لئے۔ آخر اسی تعصب کے جرم پر وہ معزول کیا گیا۔

ایران کا تلمذ شام و عراق سے

پروفیسر براون جرمن محقق کارل بروکلمان سے ناقل ہیں کہ:-

"شام و عراق اسکندر اعظم ہی کے زمانے سے یونانی تہذیب کے زیر اثر رہے پھر شام میں رومیوں اور بازنطینیوں کے اقتدار نے بھی اس تاثر کو جاری رکھا اہل شام طبع زاد تصانیف کی طرف تو زیادہ مائل نہ تھے مگر اجنبی علوم و فنون پر حیرت انگیز طور سے حاوی ہو جاتے تھے چنانچہ شامی خانقاہیں ہیپوکریٹز اور گیلن وغیرہ تمام نامور مصنفین کے علوم حکمیہ کا مخزن تھیں۔

ساسانی عہد میں نوشیرواں نے انھیں شامیوں سے استفادہ کر کے ۵۳۳ء میں جندی شاپور میں علوم حکمت و طب کی درسگاہ کھولی تھی۔ یہ گویا یونانی و شامی اشجار کا ایک پیوند تھا جو عباسی دور تک بار آور رہا

علوم یونان کا تیسرا مرکز عراق کا شہر حران تھا جہاں کے باشندے مسیحی آبادی

[1] جلد (۱) صفحہ ۱۹

سے محصور رہنے کے باوجود اپنی قدیم سامی اصنام پرستی پر قائم رہے۔
ریاضی اور ہیئت میں یہ خاص مہارت رکھتے تھے زیادہ تر قدیم شامی و
بابلی علوم کے حامل تھے، اور تازہ یونانی اثر بھی اسے جلا دیے بغیر نہ رہا۔
یہ تین ذرائع ہیں جن سے یونانی علوم کے ترجمے عربوں تک پہنچے۔
المنصور عباسی کے دربار میں تعلیم گاہ جندی شاپور کا ایک طبیب تھا جس کے
بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ عربی میں طب کی کتابیں ترجمہ کی تھیں۔
ہارون کے زمانے میں مشہور مترجم۔ یوحنا بن ماسویہ خاص منزلت
رکھتا تھا یہ سب وہ ہی حرانی عرب تھے ....
مگر ترقی علم و حکمت کی مامون کے زمانے میں ہوئی ہے اور اس کے
خلافِ قریب کے عہد میں جو ترجمے ہوتے ہیں انہوں نے تمام سابق
کاموں کو ہیچ بنا دیا اور ہمارے پاس اب صرف وہی تراجم ہیں"
اس عبارت سے ظاہر ہے کہ عربوں کو فتح اسلام کے بعد جو علم و فن
ہاتھ آیا وہ زیادہ تر ان کے سامی النسل بھائیوں ہی کے ذریعہ سے۔ نہ کہ
ایرانیوں سے فتح اسکندری کے بعد تقریباً دس صدیوں تک ایک نوشیرواں
کے مدرسہ جندی شاپور کے سوا ایران میں کسی تعلیمی حرکت کا پتہ نہیں ملتا۔ غالباً
یہاں تعلیم و تعلم ارامی زبان ہی کے واسطے سے جاری تھا پہلوی زبان ان
علوم کی متحمل نہ تھی اس لئے کہ تعلیم گاہ کا کوئی فیضان ایرانی دماغ پر تصنیف

وتالیف وترجمہ یا ایجاد واختراع کی صورت میں نظر نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ساسانیوں نے رومی اور عرب فاتحین کیطرح ابتداً جوش فتوحات میں اور انتہاءً غفلتِ تعیش میں علم وحکمت میں حصہ لینا کبھی گوارا نہ کیا۔ اور ۵۵۰ء (زمانہ مدرسۂ جندیشاپور) اور مابعد ایران کے انحطاط کا دور ہے۔ اس تمدنی واخلاقی[1] زوال کے زمانے میں ان سے کسب علم کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟

علمی وروحانی بخل برہمنوں اور قرونِ وسطی کے مسیحی پادریوں کی طرح علوم ایران موبدوں اور دوسرے مذہبی پیشواؤں کے طبقے میں محدود رہے۔ بقول پرفیسر براؤن "ساسانی حکومت کے زوال کے زمانہ تک موبدوں کی غفلت ورزی نے اکثر غیر مذہبی وعقلی علوم کے ساتھ اوستھا کے فلسفیانہ وحکیمانہ اجزاء کو بھی دنیا سے مٹا دیا"

[1] اوستھا کے پچھلے حصوں سے قریب قریب رشتہ داروں (بھائی بہن، باپ بیٹی وغیرہ) کے درمیان مناکحت کا جواز ثابت ہے اور مجوسیوں کا اس پر عمل رہا ہے۔ شاہی خاندانوں میں یہ رسم خصوصیت کے ساتھ جاری تھی۔ چنانچہ خود پارسی روایات کے مطابق اردشیر بابکان کے باپ ساسان کے (جس سے ساسانی خاندان منسوب ہے) ایک بھائی بہن اردشیر اور ایک بہن عالے تھی۔ ان دونوں بھائی بہنوں کی آپس میں شادی ہوگئی جس سے دارا پیدا ہوا جو بعد میں اور نویں صدی عیسوی کے درمیان پارسی قاضی ومفتی یہی شادیوں کی خاص ترغیب دیتے تھے۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر ہیجل کی کتاب "زند اوستھا ومذہب پارسیان" ۱۲۔

مذہبی اجزا کو ان کے بادشاہوں کے بخل نے کچھ کم نقصان نہ پہنچایا۔ یہ قبیح رسم اخفا خود زرتشت کے زمانہ سے لیکر نوشیرواں جیسے عاقل بادشاہ کے عہد تک نظر آتی ہے۔ طبری ناقل ہے کہ زرتشت نے ایک کتاب عجیب و غریب خط میں بارہ ہزار گائے کے چمڑوں پر لکھی ہوئی پشتاسپ بادشاہ وقت کے حضور میں پیش کی اور اس کے منزل من اللہ ہونے کا دعوی کیا بادشاہ نے اسے پایۂ تخت اصطخر میں محفوظ رکھوا دیا اور عام لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ممنوع قرار دیدیا۔ ابن حزم کتاب الملل والنحل میں ایک پہلوی کتاب "خدائے نامہ" کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ بادشاہ نوشیرواں نے شہر اردشیر خرہ کے سوا تمام شہروں میں مذہبی تعلیم روک دی تھی اسی اخفا کی غرض سے مختلف طبقات ملک کے لئے مختلف رسم خط کے شیوع کا حال آپ ابن مقفع جیسے مستند فاضل و عاشق فہلویات کی زبان سے بھی سن چکے ہیں[۵۲]

فیضان اسلام حضرت مسیح علیہ السلام سے تین چار صدی پیشتر ایرانیوں کو جاہ جلال حرات و بسالت فتح و ظفر تہذیب و تمدن سے انکار نہیں۔ آثار قدیمہ اور یونانی تحریریں خصوصاً زینوفون کی تحریر سب سے زیادہ صحیح ہے اس حقیقت پر دلالت کر رہی ہیں ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ عجمیوں نے امویؔ و عباسی خلافتوں میں علم کی خدمت اور ترویج و اشاعت میں مہتم بالشان حصہ لیا ہے اعتراف کہ علوم عقلیہ کے

علاوہ خود علوم مذہبی

[۵۱] نیز ملاحظہ ہو مسٹر براؤن کی کتاب "اثرات ایران بر ادبیات مسلمانان"

[۵۲] دوبارہ ملاحظہ ہو۔ صفحہ ۱۶ تا ۲۰

کی خدمت گذاری میں علمائے عجم عربوں سے بہت آگے بڑھ گئے تھے مگر صرف ان مقدمات کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ اسلامی فتح ایران کے وقت اہل عجم کی گرہ میں زرِ علم پہلے سے موجود تھا۔

پارسی روایات کے مطابق اسکندر نے جب ایران فتح کیا تو مجوسیوں کی دینی کتابیں تلف کر دیں، باقی کتب فلسفہ، نجوم، طب، زراعت وغیرہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اسکندریہ اور یونان کو اٹھوا لیگیا اس طرح ایران کی جو کچھ متاع علم تھی مرکز علم کو منتقل ہو گئی۔ پانچ صدیوں کی گھٹا ٹوپ تاریکی نے قدرۃً عجم کا دماغ کند بنا کر اسے وحشت و جہالت کی پستی میں گرا دیا اور علوم و فنون تو الگ رہے مذہب بھی بھول بھلا گئے۔ ساسانی عہد میں بعض اولوالعزم بادشاہوں نے احیاء علوم کی کوشش کی مگر وہ نسبتۃً ایسی حقیر ہے کہ مصر و یونان کے مقابلہ میں اس کا نام نہیں لیا جا سکتا۔ سن جہالت کے علاوہ رسم خط کی دقت نے علوم پارسی کو پنپنے نہ دیا۔

مگر جس دن مالدار زبان عربی نے اپنے وسیع خزانے سے ان کو لغات اور لغات کیشانِ خط مہیا کر دیا، ان کے دماغ کی مہر ٹوٹ گئی اور زبان چل پڑی خود قرآن شریف جو ایک عظیم الشان لٹریچر ہے اور عربی شاعری کے اعلیٰ نمونے ان کے سامنے تھے چنانچہ محمد غوثی اپنے مشہور تذکرہ لباب الالباب میں لکھتا ہے:-

چوں آفتاب ملت حنیفی و دین محمدی سایہ بر دیار عجم انداخت لطیف طبعان
فرس را مفضلاء عرب باتفاق محاورہ پدید آمد و از انوار فضائل ایشاں
اقتباس کردند و بر اسالیب لغت عرب وقوف گرفتند و اشعار مطبوع ابدار
حفظ کردند۔ بغور آں فرو رفتند و بر دقائق بحور و دوائر آں اطلاع یافتند
..... و ہم بر آں منوال نسائج فصائد کہ نتائج طبع ایشاں
بود باتقن گرفتند [1]"

عباسیوں کی قدردانی علم نے تمام اقوام کو صلائے عام دی تو شام و عراق کے یہود و نصاریٰ اور ہندی برہمن، بابلی مصری یونانی اور ہندی علوم کے خوان نعمت سروں پر لئے ہوئے حاضر ہوئے اور عباسی دسترخوان پر چن دیئے۔ عربوں نے اگلے ایرانیوں کی طرح شمشیر زنی اور حکمرانی کے ذوق و شوق میں اس سے پورا حظ نہ اٹھایا۔ مفتوح ایرانیوں کے لئے اپنی ہستی کو برقرار رکھنے اور عربوں کے دوش بدوش مسابقہ حیات میں ساتھ دینے کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نہیں رہی تھی کہ وہ ملت اسلام کی (جو اب عرب و عجم کے مجموعے سے عبارت تھی) ذہنی خدمت اپنے

[1] جلد اول صفحہ ۳۰۔ یہ نایاب کتاب پروفیسر براؤن کی ہمت سے دو جلدوں میں لندن سے ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۶ء میں مع حواشی محمد عبدالوہاب قزوینی شائع ہوئی ہے آج دنیا میں یہ فارسی شعراء کا سب سے قدیم و معتبر اور بعد کے تمام تذکروں کا ماخذ ہے ۱۲۲۱ھ ۱۹۱۰ء کے لگ بھگ تالیف ہوا۔

ذمہ لے لیں اس حوصلہ میں قدرت نے بھی ان کی یہ اعانت کی کہ عرب و عجم دو متضاد دماغوں اور قوموں کے اختلاط سے ایک ایسا قوام تیار کر دیا جس میں عرب کی عملیت اور عجم کی ذہانت مجتمع ہو گئی اسی نکتہ کو پروفیسر براؤن نے یوں ادا کیا ہے :-

"یہ فرض کر لینا کسی طرح صحیح نہیں کہ مسلمانوں کی فتح ایران کے بعد دو تین صدیاں ایران کی ذہنی تاریخ کا سادہ ورق تھیں۔ اس کے برخلاف یہ نہایت عجیب اور بے نظیر دلچسپیوں کا دور گذرا ہے۔ عہد قدیم اور عہد جدید کے تداخل واقعات کی تشکیل اور خیالات کے باہمی تجاذب و اعتدال کا زمانہ تھا۔ کسی معنی میں بھی یہ جمود یا موت کا زمانہ نہ تھا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ سیاسی اعتبار سے کچھ مدت تک کے لئے ایران کی علیحدہ قومی ہستی رک گئی۔ کیونکہ یہ اس عظیم الشان اسلامی سلطنت میں جذب ہو گیا۔ جو جبل الطارق سے لیکر جیحون تک وسیع تھی، لیکن قلیم دماغی میں اس نے بہت جلد وہ غلبہ حاصل کر لیا جس کا استحقاق اہل ایران کی قابلیت اور فطری جودت و ذکاوت نے اسے دے رکھا تھا۔"[1]

ہم کسی اور موقع پر بتا چکے ہیں کہ اکثر اوقات سیاسی انقلاب[2]

---

[1] تاریخ علوم ایران جلد ۱ مقالہ دوم کا آخر حصہ

[2] مضمون "سیاسی انقلابات کا اثر علوم ایران" پر مندرجہ "جامعہ" بابت جنوری گذشتہ صفحہ

ملک کے حق میں رحمت ثابت ہوتا ہے مختلف اقوام کا اختلاط دماغوں میں تازگی اور فرسودہ قوموں میں زندگی بخشتا ہے چنانچہ ایران کا یہ انقلاب بھی اسی قسم کا تھا۔ ساسانی عہد تک ہم ایران میں کوئی قابل ذکر آثار علمیہ نہیں پاتے اہل ایران کا جوہر قابل ان کے دماغوں میں پڑا سوتا رہا یکایک فتح اسلام نے ان کے جوہر کو حرکت دیکر بیدار کر دیا انہوں نے عہد اسلام میں وہ ذہنی کارنامے دکھائے جن سے آجتک اکثر لوگوں کو یہ دھوکا ہو جاتا ہے کہ یہ صدیوں کی مشق دماغی کا نتیجہ ہیں مگر تاریخ اس قیاس کی تائید نہیں کرتی دراصل ظہور اسلام کے بعد ان کے حیرت انگیز علمی کارناموں کا راز اسی خارجی تحریک و اختلاط اور اس کے قدرتی اثرات میں مضمر ہے۔

ایران کا یہی اسلامی عہد وہ عہد ہے اور ایرانیوں کے یہی کارنامے وہ کارنامے ہیں جنپر وہ جسقدر چاہیں ناز کریں، مگر افسوس ہے کہ جدید ایرانی محبان وطن کے سب سے نامور اور محترم افراد بھی اپنی قومی ادبیات میں ایسے محسود روزگار اسلاف پر فخر کرنے کی بجائے افسانہ کیانی و ساسانی کے خیالی تاج کے، سند جم اور درفش کاویانی پر ناز کیا کرتے ہیں [۱]۔

---

[۱] ملاحظہ ہوں سیاحت نامہ ابراہیم بیگ مطبوعہ کلکتہ بورڈ صفحہ ۳، ۴، ۱۱، ۱۳ اور قومی نظمیں جو پروفیسر براؤن نے صحائف و شاعری ایران جدید کے نام سے شائع کی ہیں۔

قدیم علوم فارسی کی ہیئت کذائی

شاعری ایرانی شاعری کے آغاز کے متعلق بھی قیاس کے گھوڑے خوب دوڑائے گئے ہیں۔ مگر ہمارا ہی نظریہ شاعری پر بھی صادق آتا ہے۔ کافی لغات، پہلوی سے آسان تر رسم خط، حاملین علم کی صحبت قدردانی بلشلوں کا خلط ملط، ان سب نے مل ملا کر ان کے دماغ پر صیقل سی کر دی۔ ابو العباس مروزی کے قصیدہ (۳۰۰ھ) سے لیکر رودکی تک بڑھ چلو صاف معلوم ہوگا کہ فارسی شاعری، بندش اور خیالات کو وہی ابتدائی مرحلے طے کرنا پڑے ہیں جو ہر زبان کو اوّل اوّل کرنا پڑتے ہیں۔ دولت شاہ سمرقندی نے قدیم فارسی میں شاعری کے کچھ نمونے پیش کئے ہیں جن سے اس کے وجود کا ثبوت دیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں:۔

(۱) بہرام گور۔ (متوفی ۴۳۸ء) جس نے بقول عوفی عربوں میں تربیت پائی تھی۔ عربی میں شعر کہتا تھا اور فارسی عروض کا بانی ہے، ایک دفعہ شیر کا قادرانہ شکار کرکے فخریہ یہ مصرعہ بول اٹھا ؎

منم آں پیل دماں و منم آں شیر ژیلہ

دلارام اسکی حاضر جواب محبوبہ نے برجستہ یہ مصرعہ لگا دیا ؎

نام بہرام تراوہ پدرت بوجبلہ

(۲) قصر شیریں کی دیوار پر عہد خسرو پرویز (متوفی ۶۰۰ء) کا یہ شعر کندہ پایا گیا تھا جو عضد الدولہ دیلمی تک موجود تھا

بہ زر ابگیماں انوشہ بذی جہاں را بدیدار تو شہ بذی

لطف یہ ہے کہ مصرعۂ ثانی بعینہ شاہنامہ میں موجود ہے۔ کیا فردوسی نے یہ مصرعہ قصر شیریں کے کھنڈروں سے اڑایا؟

(۳) پہلی صدی ہجری میں ابو حفص حکیم سغدی کا یہ شعر نقل کیا گیا ہے

آہو کوہی در دشت چگونہ رودا او ندارد یار بے یار چگونہ بودا

محققین یورپ ان روایات کی صحت میں بہت شبہ ہیں لیکن اگر واقعی یہ صحیح بھی ہوں تو ان کا وجود ہی ہمارے دعوے کو بوجہ اتم ثابت کر رہا ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ یہ اشعار کسی مہذب قدیم

لہ گرجونی نے دونوں مصرعے بہرام گوری کی طرف منسوب کئے ہیں اور شعر یوں نقل کیا ہے

منم آں شیر گلہ منم ایں پیل یلہ نام من بہرام گور کشتم بوجبلہ

دولت شاہ نے بہرام گور کیساتھ اسکی محبوبہ کو بھی بزدجرد ثانی شعر بنا دیا ہے۔ باقی شعر بنا دیا ہے۔ قسم کی حاشیہ آرائی ورنگ آمیزی جو تاریخ پر ستم ہے۔ دولت شاہ سمرقندی کا خاص مذاق معلوم ہوتا ہے۔ تعالبی نے اپنی غرر و درس صفحہ ۵۵۵ میں یہی شعر کو خرداذبہ سے بوں نقل کیا ہے۔

منم آں شیر شلہ منم آں ہبر یلہ من آں بہرام گورم منم آں بوجبلہ

متاخرین کی اصلاحوں نے قدیم نمونوں کی تاریخی اہمیت اور بھی کم کر دی ہے۔

اور علم آشنا قوم کی تخیل اور دماغی نشوونما کا نمونہ ہو سکتے ہیں یا دبستانِ سخن کے ابجد خواں کی مشق اول کا؟

(۴) ۹۱۳ھ میں المامون الرشید عباسی مرو میں داخل ہوا تو بقول عوفی عباس ایک خواجہ زادہ نے اس کی خدمت میں ایک فارسی قصیدہ پیش کیا تھا جس کے صرف چار شعر نقل کئے ہیں:-

ای رسانیدہ بدولت فرق خود تا فرقدیں — گسترانیدہ بجود و فضل در عالم یدیں
مر خلافت را تو شائستہ چو مردم دیدہ را — دیں یزداں را تو بالیستہ چو خرد ہر دو عین
کس بہ ایں منوال پیش از من چنیں شعری نگفت — مر زباں پارسی را ہست با ایں نوع بیں
لیک ناں گفتم من ایں مدحت ترا تا ایں لغت — گیرد از مدح و ثنائے حضرت تو زیب و زیں

فارسی زبان عہد غزنوی سے پہلے صنف قصیدہ ہی سے آشنا نہ تھی اس پر بندش کی یہ چستی ایک صدی کے بعد تک بھی کلام فارسی میں نظر نہیں آتی۔ ان وجوہ کی بنا پر روسی فاضل مستشرق موسیو کاریمسکی ان اشعار کو بہت سے اور اشعار مروجہ کی طرح مشتبہ بتاتے ہیں اور پروفیسر براون بھی ان سے متفق ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ عربی قصائد کے تتبع میں اگر کسی طباع فاضل عجم نے کچھ شعر نظم کرتے ہوں تو جائے تعجب نہیں ہے بندش کی چستی اور صفائی۔ تو اصلاح و تہذیب فارسی تذکرہ نویسوں کی عام خوبی ہے اصل صورت یقیناً کچھ اور ہوگی لیکن اگر ان کو موجودہ ہیئت

میں بھی معتبر تسلیم کر لیا جائے جب بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہے۔ آخری دو شعر دنیس شاعر خود اقرار کر رہا ہے کہ مجھ سے پہلے کسی نے زبانِ فارسی میں یوں شعر نہ کہے اس انداز سے فارسی زبان ناآشنا ہوں میں آپ کی مدح اس لئے کی ہے کہ اس ذریعے سے اس زبان کی رونق ہو جائے۔

ان اشعار کے آگے خود عوفی کی حسب ذیل عبارت اس خیال کی مزید تائید کر رہی ہے

"امیر المومنین ہزار دینار مرحمت فرمودہ بمزید عنایت و الطاف مخصوص گردانید

و چوں فضلا آن بدیدند ہر کس طبیعت براورگاشت۔ بعد ازو نے کس شعر پارسی

نگفت تا در نوبت آل طاہر و آل لیث شاعر بہند معدود و خاستند۔"[1]

یعنی سلطانی قدر دانی کا اثر یہ ہوا کہ ہر شخص فارسی میں شعر گوئی کی کوشش کرنے لگا مگر آل طاہر اور آل لیث (یعنی خطابا و عینی متوفی ۸۵۵ھ) تک کسی نے فارسی شعر نہیں کہے

کلام عرب کا تتبع مولانا شبلی مرحوم نے شعر العجم میں فارسی شعراء کی تقلید عربی اور فارسی شاعری کی ابتدائی مشق کے نمونے پیش کئے ہیں اور فارسی شاعری پر عربی شاعری کے اثر کے متعلق نہایت دلچسپ اور لطیف بحث کی ہے ہم ذیل میں بتغیر ترتیب جا بجا سے منتخب عبارتیں نقل کرتے ہیں:[2]

اول اول ایرانی شعراء عربی شاعری سامنے رکھ کر شعر کہتے تھے۔ مشق کی ابتدا یہ تھی کہ عربی اشعار کا ترجمہ نقل کرتے تھے۔ آج بہت سے فارسی قطعے، فرد بلکہ قصیدے

---

[1] لباب الالباب جلد اول صفحہ ۲۱

[2] شعر العجم جلد چہارم صفحہ ۱۳۰ تا ۱۴۳

موجود ہیں جن کو عام لوگ ایران کا سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ عربی اشعار کے ترجمے ہیں۔ اسکے بعد سیف الدولہ کے مشہور قطعہ جس میں قوس قزح کی تشبیہ ہے۔ اور ابونواس کے مشہور قطعہ کلام اللیل یمحوہ النہار اور دوسرے عربی کلام کے فارسی تراجم کے نمونے دکھا کر بتایا ہے کہ اس پردہ میں سرقہ شروع ہوگیا۔ عنصری، اسعدی، کسائی، غضاری کے ہاں بہت سے مضامین ہیں جو قطعاً عرب سے لئے ہیں۔ لیکن چونکہ لوگوں کی نظر کلام عرب پر نہیں ہے۔ اسلئے کسی نے سرقہ یا ترجمہ نہیں خیال کیا مولانا نے اس قسم کے سرقات کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔

تقلید اس قدر کورانہ ہوتی تھی کہ عربی قصائد کے ڈھانچے ترتیب اور جزئیات تک کی ہو بہو نقل کی جاتی تھی۔ عربی قصائد کی تمہید میں اکثر ممدوح یا معشوق کے ملنے کے لئے سفر کرنیکا حال لکھتے ہیں۔ اور راستے کی سختی، پہاڑوں کی چڑھائی، گھوڑے کی جفاکشی اور گرم رفتاری کے ذکر سے طول دیتے ہیں، فارسی میں بھی قدیم شعراء کا خاص انداز تھا جو آخر تک رہا گیا..... امرء القیس نے اپنا مشہور قصیدہ معلقہ اس تمہید سے شروع کیا ہے۔

قفا نبک من ذکری حبیب و منزل ۔ بسقط اللوی بین الدخول فحومل

ساتھیو ٹھہر جاؤ۔ یہ معشوق کا اجڑا ہوا گھر (ڈیرے کا نشان) ہے آؤ معشوق کی یاد میں دو آنسو بہالیں۔ یہ انداز اس قدر مقبول ہوا کہ ایک مدت تک شعرا قصیدہ کی ابتدا انہیں لفظوں سے کرتے تھے۔ فارسی شعراء نے بھی اس کی تقلید کی۔

لامعی جرجانی کہتا ہے۔

ہست ایں دیار یار اگر شاید فرود آرم جمل — پر ہم رباب و عذر آں از رسوم و از طلل

جائے ہے منہم خراب، اندر میان او سحاب — آتش زدہ گیاہ و گلاب از فوت برق و بطل

در خانۂ سعدی دمے آنجا کہ از کف آں ہر دمے — خوردم دو جام اندر دمے، ایں را تیمم آں بدل

بانگ پلنگ آید ہمے، فریاد و رنگ آید ہمے — آشوب سنگ آید ہمے چوں گاہ زلزال از قلل

گوئی کجا رفت آں صنم کو بود در عالم علم؟ — خوردہ دم عذرا بہ دم بردہ دل وامق بدل

بردارد از لم صبر و خرد چوں بانگ بر آں ناقہ زد — کاریم پیش آوردہ بد ما تولی وارتحل

جس نے سبعہ معلقہ کا ایک قصیدہ بھی پڑھا ہوگا وہ اس فارسی قصیدہ میں صاف دیکھ لیگا کہ مضامین، طرز سخن، تشبیہات، و استعارات یہاں تک کہ قوافی میں بھی جاہلی قصائد کی پوری پوری نقالی ہے۔

منوچہری و امغانی اور عسجدی بخاری نے متعدد قصیدے اسطرز پر لکھے ہیں۔

"شعرا عجم ہر موقع پر اعتراف کرتے ہیں کہ شاعری میں انکے استاد عرب ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ منوچہری اپنے ایک ہمعصر پر اپنی ترجیح ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

من بے دیوان شعر تازیان دارم زبر — تو ندانی خواند لا ہی یعسجد فاصیغنا

سبعہ معلقہ کے ایک قصیدہ کے مطلع کی طرف اشارہ ہے۔ انوری کہتا ہے۔

شاعری دانی کدامی قوم کردند؟ آنکہ بود — اول شاں امرالقیس آخر شاں بوفراس"

اس کے بعد منوچہری، انوری وغیرہ کے متعدد شعروں سے عربی تتبع کی مثالیں

دی ہیں، تلمیحات اکثر عرب کی ہیں مثلاً عشق و عاشقی کے متعلق جتنے الفاظ ہیں۔
ایران میں ہزاروں پری پیکر معشوق گذرے لیکن شاعری نے لیلیٰ کو انتخاب کیا
اور اس حد تک وسعت دی کہ معشوق اور لیلیٰ مرادف لفظ بن گئے لیلیٰ کے علاوہ
کہیں کہیں اور کسی کا ذکر آجاتا ہے تو سلمیٰ، عذرا، دعد، ربا کا آتا ہے کہ یہ بھی عرب کے معشوق
ہیں اسی طرح عاشقی کا سلسلہ بیعت مجنوں تک منتہی ہوتا ہے جس کے لئے حضرت یوسف
کام آتے ہیں۔ ازیں قبیل دیدۂ یعقوب، چاک پیراہن، چاہ کنعاں، خواب زلیخا زندان
یوسف، آدم، گندم، طوفان نوح، قربانی اسمٰعیل، بت شکنی خلیل، صبر ایوب، تخت
سلیمان، بلقیس، ہدہد، ید بیضا، عصائے موسیٰ، وادی ایمن، شیخ طور، اعجاز مسیح
شراب طہور، حور و غلماں، ہنگامۂ محشر، صبح محشر، روح القدس وغیرہ اسلامی الفاظ
بطور تلمیحات اس کثرت سے فارسی شاعری میں داخل ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔"

الغرض عجمی طفل شعر نے عرب دایہ شاعری کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا اور اسکی گود میں جوان ہوا

بھاٹ یا شاعر قدیم ہندی شاعری کی تلاش میں بار بار دیمن چارن
بھاٹوں کا ذکر کیا گیا ہے عرب شاعر خالدین فیاض نے جو اول صدی ہجری کے آخر
میں گذرا ہے بار بد کا افسانہ عربی میں لکھا ہے۔ بار بد ایک بھاٹ تھا جو خسرو پرویز کو
گا بجا کر خوش کیا کرتا تھا۔ یہ نہایت مغلوب الغضب بادشاہ تھا جب کوئی ناگوار بات
اسکے کانوں تک پہنچائی جاتی تو اہل دربار بار بد کی موسیقی اور بول کے ذریعہ سے
آگاہ کرتے تھے چنانچہ بادشاہ کے شدید زنام گھونسی کی موت کی خبر بار بد نے اسے

کس طرح گا کر دی ہو خالد نے عربی نظم میں اُس کو بتایا ہو مگر عربی میں اس قسم کے چٹکلے اور افسانے بہت ہیں جنکو تاریخی رنگ دیکر دلچسپ اور مقبول طبع بنایا گیا ہے، عنترہ کے کارناموں کا پورا افسانہ، سیر شہرستان کی کیفیت، الف لیلہ کی بعض تاریخ نما داستانیں۔ حماد الراویہ کی کہانیاں، یہاں تک کہ ہابیل کی موت پر حضرت آدم کا مرثیہ اور ابلیس کا جواب عربی نظم میں موجود ہیں جو بالکل قابل اعتنا نہیں۔ دوسرے اگر بارَبد کی اصلیت تسلیم بھی کیجائے تو اسکے بول شعر نہ تھے چنانچہ عوفی کا بیان ہے

"نوائے خسروانی کہ آں را بارَبد دعوت آوردہ است بسیار ہست فاما از وزن شعر و قافیہ و مراعات نظائر آں دور ہست بداں سبب تعرض بیاں آں کردہ نیامد"[1]

درحقیقت بھٹی اور شاعری دو چیزیں ہیں، الگ الگ۔ اور بھاٹوں کا وجود بجائے تہذیب و تمدن کی علامت کے ہمیشہ اور ہر ملک کی تاریخ میں وحشت و بدویت کی نشانی رہا ہے۔ آجتک غیر مہذب پہاڑی علاقوں میں بھاٹ پائے جاتے ہیں جو قومی افسانے گایا کرتے ہیں۔ اسکاٹ لینڈ کے دور وحشت میں امیروں کے دربار و نہیں آزاد آوارہ گرد بھاٹ پہنچا کرتے تھے جنکی صحیح تصویر مشہور افسانہ نویس اور قومی شاعر سر والٹر اسکاٹ نے اپنی تصانیف میں کھینچی ہے اسی طرح کوہ سار ویلز میں بھی بھاٹ تھے اور سرحدی پٹھانوں میں بھی موجود ہیں مگر ان کا وجود تمدن و تہذیب اور علم و ادب سے جو کچھ علاقہ رکھتا ہے محتاج بیان نہیں۔

[1] جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ لباب الالباب

دولت شاہی روایت رہی دولت شاہ سمرقندی کی روایت جو آغاز مضمون میں نقل کی جا چکی ہے یعنی عبداللہ بن طاہر گورنر خراسان کی طرف فارسی لٹریچر کی غارت گری کی نسبت اور صاحب مجمع الفصحا کا مکلم کی طرح تسلیم کر کے عام عربوں کی طرف اس وحشت کو منسوب کرنا، اول تو یہ اچھوتا مضمون صرف دولت شاہ کی فکر رسا کا نتیجہ ہے اور دولت شاہ کی اکثر روایتوں کی طرح بے سند، پھر محمد عوفی اپنے مستند و معتبر تذکرہ لباب الالباب میں جو خود مجمع الفصحا مؤلفہ رضا قلی خاں مذکور کا بھی ماخذ ہے "باب سوم در معنی اول کسے کہ شعر گفت، باب چہارم در معنی اول شعر پارسی کہ گفت" جیسے مستقل باب باندھکر ان مسائل پر تفصیل سے بحث کرتا ہے آج عام تذکروں میں اولین اشعار پارسی کے جو نمونے منقول ہیں تقریباً سب کے سب اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ مگر قصۂ دامق و عذرا اور عبداللہ بن طاہر کا افسانہ کہیں نظر نہیں آتا۔ حالانکہ آل طاہر کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے:۔

"اگرچہ فیض و انعام ایشاں عام بود فاما ایشاں را در پارسی و لغت دری اعتقادے نبود۔ دراں عصر شعرا دریں فن کمتر خوض کردند اما در عہد ایشاں شاعر شکر سخن خاست حنظلہ نام از بادغیس ..... [1]"

اس کے بعد حنظلہ بادغیسی اور دوسرے اولین شعرائے فارس کے کلام جمع کئے ہیں اس مقام سے بہتر مثنوی دامق و عذرا کے ذکر کا اور کونسا موقع

[1] لباب الالباب جلد ۲ صفحہ ۲۔

ہو سکتا تھا؟ عنصری کی تصانیف کے ضمن میں اس مثنوی کا ذکر بھی آتا ہے۔ مگر وہاں بھی اس واقعہ کا کوئی نشان نہیں۔ پھر درایۃً یہ ناممکن محض معلوم ہوتا ہے کہ خراسان کے گورنر کے حکم سے ساری دنیا کا فارسی لٹریچر فنا ہو جائے۔ زیادہ سے زیادہ خراسان میں یہ حکم چل سکتا تھا، باقی ملک ایران میں عبداللہ کا کیا دخل ہے

فارسی اصطلاحات علمیہ

پروفیسر آزاد نے سخندان فارس میں پہلوی و فارسی قدیم کی اصطلاحات فلسفیہ کا کچھ نمونہ پیش کر کے پارسی قدیم کی مالداری کا ثبوت دیا ہے اور اپنے مخصوص ادیبانہ طرز میں اسکے فنا پر سینہ کوبی کی ہے مگر حسب عادت اپنا ماخذ تبایا نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ساری اصطلاحات پارسی جن پر ماتم کیا گیا ہے ظہور اسلام سے بہت بعد کی کوشش ہیں کیونکہ اوستا اور اسکی شروح کے سوا فلسفہ وغیرہ پر فارسی قدیم یا پہلوی میں آج دنیا میں جو کچھ اجزاء موجود ہیں وہ چودھویں صدی عیسوی (۱۳۲۳ء) تک کے لکھے ہوتے ہیں

ایرانیوں کی حب وطنی نے انہیں ہمیشہ سے غیر مخلوط خالص پارسی کے شیوع کا متمنی اور ساعی رکھا ہے۔ یہ کوشش بے سود سہی عہد فردوسی سے لیکر آج تک وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہے۔

محمد صالح دربار شاہجہانی کا مصنف تھا اس نے اپنی ایک کتاب عمل صالح میں عربی اصطلاحات عروض کیجگہ خالص فارسی اصطلاحات گھڑنی تھیں جن کا نمونہ یہ ہے۔

قصیدہ کے لئے چکاد۔ تخلص کیلئے داغ

غزل	کہلئے	چامہ[1]	نثر	کہلائے	پراگندہ
وزن شعر	〃	دم	نظم	〃	پیوستہ[2]
ردیف	〃	پساوند			

اخبار روزنامہ ایران سلطانی نمبر ۴ مورخہ ۱۳۲۱ ہجری میں نصاب ابوالمظفر صادق فراہانی کے نام سے ایک منظوم فرہنگ شائع ہوئی تھی چند لفظ یہ ہیں:۔

پاک	کے لئے	یزدان	صراط	کے لئے	چینود
خدا	〃	ایزد	بہشت (باغ)	〃	مینو
حق	〃	مُدہ	افعال منفوں	〃	چنسب
بخل	〃	وخشور	سحر	〃	فرہ
شرح	〃	آئین	معجزہ	〃	فرہود
انتظام	〃	دھناد	فاضل دانا	〃	فرہاد
عرش	〃	گرزماں	کعبہ	〃	آباد
کرسی	〃	زیرگہ	قرآن	〃	نوی
ثواب	〃	کرفہ	مسجد الاقصیٰ	〃	گنگ دژہوخت

[1] فردوسی نے چامہ گیت کے معنوں میں استعمال کیا ہے

[2] فردوسی نے پیوستہ کسی نہ کسی صفت کیساتھ ملا کر اسے نظم کے مفہوم میں مجازاً استعمال کیا ہے جیسے گویا پیوستہ۔ حدیث پیوستہ۔

عذاب کیلئے بڑھ

ایسے ہی نوعمر و نوخیز الفاظ کی بنیاد پر ایک مدعی تحقیق پادری صاحب نے اسلام کے تمام عقائد معاد کو زرتشتی دینیات سے ماخوذ ثابت کیا ہے۔ [1]

پہلوی ادبیات باقیہ پر ایک نظر

اخیر ساسانی عہد کی پہلوی ادبیات بھی جو کچھ آج موجود ہیں ان کی قدر و قیمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بجائے تاریخ و مذہب و تمدن ایران پر روشنی ڈالنے کے وہ اسے تاریک سے تاریک تر بنا رہی ہیں ایک طرف اوستا اور ژند کو مرث کو حضرت آدم قرار دیتی ہیں دوسری طرف [2] دساتیر کا بیان ہے کہ کیومرث کے قبل ایک پیغمبر مہاباد گذرا ہے جس سے موجودہ نوع انسان کی نسل چلی ہے ہمیں قدیم مجوسیوں کا یہ فلسفہ بھی درج ہے کہ زمانہ بہت دوروں میں منقسم ہے۔ ہر دور کے بعد ایک خلقت پیدا ہوتی بڑھی اور پھیلی پھر تدریجاً فنا ہو گئی۔ آخر میں صرف ایک مرد و عورت بچ رہے جن سے آئندہ دورہ چلا و علیٰ ہذا القیاس مہاباد

---

[1] نیاتیج الاسلام مطبوعہ ایران جسے سر ولیم میور نے ترجمہ کر کے خوب چھپایا اور اچھا لاہو اس کا نام دی سورسز آف اسلام رکھا ہے۔

[2] یہ اوستا اور ژند پاژند سے بالکل الگ ایک قدیم کتاب ہے جو سنہ ۵۵۰ء میں عہد خسرو پرویز میں پہلوی میں ترجمہ ہوئی اس میں سلاطین ایران کے نامے یا الہامات ہیں اس کے بیان کے مطابق ایران کے تمام سلاطین پیشین خدا کا قرآن زیادہ تر آفرینش عالم سے بحث کی گئی ہے جو اوستا سے بالکل مختلف ہے

آخری دورے کا بابا آدم ہے جس نے تمدن کے سارے سامان ایجاد کئے اس کے زمانہ میں دنیا میں بہشت کا امن وعیش میسر تھا۔ مہاباد کے خاندان کے بعد ایک پیغمبر جی افرام نے عنان حکومت سنبھالی۔ اس خاندان کی جسے جیانیاں کہتے ہیں مدت حکومت ایک ہزار سال بتائی گئی ہے جو ان کے حساب سے ایک ہزار ملین یا دس کروڑ سال کے برابر ہے[۵۲]! مورخین یونان پیشدادی یا ان سے پہلے خاندانوں کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

شاہنامہ فردوسی کو آج ہم محض شاعرانہ افسانہ سمجھتے ہیں لیکن یہ مثنوی بھی لحاظ واقعات زیادہ تر پہلوی نصف کارنامک اردشیر بابکان (کارنامہ اردشیر بابکان) اور خدائے نامک کا چربہ ہے۔ آخر الذکر کتاب آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں ابن المقفع اور دوسرے فضلا کے پانچ چھ مختلف عربی تراجم کے ذریعہ سے دنیائے اسلام میں مشتہر ہو چکی تھی اگرچہ اب اصل پہلوی نسخہ نایاب ہے۔ یہ غالباً یزدگرد سوم کے عہد کی تالیف تھی اسی طرح کارنامہ اردشیر ۶۰۰ء کی تالیف بتایا جاتا ہے لہذا ان دونوں کتابوں کو پہلوی لٹریچر کا اعلیٰ نمونہ سمجھنا چاہیئے۔ کارنامہ اردشیر دستور زمانہ سے بچ رہا ہے جس کا جی چاہے کسی

---

۵۲ تاریخ ایران سرجان ملکم جلد اول باب دوم۔ تاریخ سنی ملوک الارض والانبیاء حمزہ اصفہانی مطبوعہ برلن ۱۳۴۱ھ صفحہ ۱۰

ایک بحث پر اس کارنامہ اور شاہنامہ دونوں تصانیف کو پہلو بہ پہلو رکھ کر سر جان ملکم اور پروفیسر براؤن کی طرح مقابلہ کرلے۔ ان دونوں کے بیان کے مطابق کیومرث کی طرف سے اس کے حریف کے مقابلے میں شیر اور بھیڑئے بھی لڑے اور اس کے دشمنوں کا نام و نشان جہاں سے مٹا دیا جمشید، ضحاک، فریدون، زال و رستم، ہفتخواں، اسکندر و دارا کی مشہور بے تکی کہانیوں کی عام شہرت محتاج تکرار نہیں۔

تاریخی قصوں میں رنگ آمیزی جائز تھی ہو مگر آج تک کسی نے خود سنین و تواریخ میں مبالغہ جائز نہیں رکھا شاہان شاہنامہ کی مدت پادشاہی قابل دید ہے۔

(۱) شاہان پیشدادی	(۲) شاہان کیانی
جملہ مدت سلطنت ۱۳۴۱ سال	جملہ مدت سلطنت ۲۳۲ سال
سلطنت جمشید ۱۰۰۰ "	سلطنت کیقباد ۱۰۰ "
" فریدون ۵۰۰ "	" کیکاؤس ۱۵۰ "
" منوچہر ۱۲۰ "	" لہراسپ ۱۲۰ "
	" گشتاسپ ۱۲۰ "

مدت سلطنت " بہمن اردشیر دراز دست ۱۱۲ سال

طبری، ابو معشر، حمزہ صفہانی اور دوسرے مسلم مورخین نے بھی پہلوی ماخذوں ہی سے کم و بیش یہی مدتیں نقل کی ہیں۔ ثعالبی نے اپنی تاریخ میں زال و سیمرغ کی داستان نقل کر کے معذرت کی ہے کہ "میں ان افسانوں سے بری الذمہ ہوں اگر تاریخ ایران میں یہ داستانیں یوں ہی علی التواتر بیان نہ ہوتی چلی آتیں تو میں ان کا ذکر نہ کرتا اس زمانہ کی عجیب عجیب باتیں منقول ہیں۔ مثلاً ہزار ہزار سال کی عمریں اور جن و شیاطین کا بادشاہوں کے تابع ہونا وغیرہ"، اسی طرح البیرونی جو خود ایرانی نژاد اور محب وطن ہے بختنصر ان رستم کے ذکر کے بعد لکھتا ہے۔ ولهم فی التاریخ اعمار الملوك و افاعیلهم المشهورة عنهم ما یستنفر عن استماعه القلوب قبل الاذان و لا تقبله العقول[1] یعنی ایرانیوں کی تاریخ میں بادشاہوں کی عمریں اور ان کے کارنامے ایسے درج ہیں جن کے سننے سے دل اکتاتا ہے۔ نہ کان ان کو گوارا کرتے ہیں نہ عقل قبول کرتی ہے حمزہ صفہانی اپنی کتاب سنی ملوك الارض و الانبیاء

[1] آثار الباقیہ مطبوعہ لیپزگ صفحہ ۱۰۰

ہیں صاف کہا ہے کہ اُن کی تمام تاریخی کتابیں محرف اور غیر صحیح ہیں ..... مجبوراً میں نے یہاں بادشاہوں کے صرف وہی حالات مختصراً جمع کر دیئے ہیں جو ان کتابوں میں موجود ہیں۔ باقی فضول باتیں ان کی تمام کتابوں میں بھری پڑی ہیں ان کے خطوط اور وصیت نامے وغیرہ جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں ان سے ہم نے اپنی کتاب کو پاک رکھا ہے۔[۲]

یونانی و پارسی تواریخ میں تناقض

ایران قدیم سے یونان کے تعلقات بہت گہرے رہے ہیں۔ صدیوں حاکم و محکوم کا سلسلہ رہا ہے۔ اسکندر ایران کے علوم دین کو تلف کر کے باقی تمام علوم و فنون یونان اٹھوا لے گیا۔ اور یونانی و قبطی زبانوں میں ان کے ترجمے کرائے اس سے ظاہر ہے کہ اس عہد کی تاریخ ایران کے لئے دنیا میں بہترین مواد و مواقع یونان ہی کو حاصل تھے چنانچہ قدیم مورخین یونان نے اپنے عصر کے ایران کے جو تاریخی حالات چھوڑے ہیں وہ ہر اعتبار سے ایرانی بیانات سے زیادہ معتبر سمجھے جانے کے لائق ہیں مگر وہ بالاکثر ان پارسی روایات سے متناقض ہیں۔ ثعالبی کا بیان ہے کہ ہمارے پاس تاریخ ایران کے متعلق دو ماخذ ہیں۔ ایرانی و یونانی۔ ہم جانتے ہیں کہ دونوں

---

[۲] سنی ملوک الارض حمزہ اصفہانی مطبوعہ برلن ۱۳۴۰ھ صفحہ ۴ [۳] ایضاً

میں اختلاف ہو لیکن صاحب البیت ادری بما فیہ۔ گھر کا حال گھر والا ہی خوب جانتا ہے۔ اس لئے ہم نے یونانیوں کے مقابلے میں ایرانیوں کا زیادہ اعتبار کیا لیکن صاحب البیت سینکڑوں اور ہزاروں سال پیشتر کے اسلاف کی مدیحانہ داستانیں غلو اور اغراق کے ساتھ بیان کر رہا ہو تو اس کے اس بزرگ ہمسایہ کی شہادت بے شبہ کہیں زیادہ معتبر قرار دیجائیگی جو اسکے اسلاف کا ہمعصر یا قریب العصر ہو۔

غرض واقعیت کے اعتبار سے پارسی تاریخوں اور کلیلہ دمنہ جیسی کہانیوں چنداں فرق نہیں معلوم ہوتا ؂

مجوس اور اسلام

یہ مقالہ دراصل "پارسی علوم اور اسلام" کا تتمہ ہے۔ گذشتہ ابواب میں زبان پہلوی کی ناداری و نقائص، قدیم علوم پارسی کی کیفیت و کمیت، ان پر عرب کی لسانی و ادبی تاثیرات و احسانات سے بحث کی گئی تھی۔ سطور ذیل میں عہد اسلام میں (ساتویں صدی ہجری تک) پہلوی ادبیات کی موجودگی اور مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کی خدمت و حفاظت بذریعہ تراجم و اقتباس ثابت کی گئی ہے، اور مجوسیوں پر اسلام کے ورود انگیز مظالم کی حقیقت کے انکشاف پر خاتمہ کیا گیا ہے۔

پارسی علوم ساتویں صدی ہجری تک

قدیم پارسی لٹریچر جو کچھ بھی تھا اور جیسا کچھ بھی تھا ساتویں صدی ہجری تک ایران میں موجود تھا جس کا ثبوت ہمیں عربی تاریخوں سے ملتا ہے۔ مصنفین اسلام نے ان سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔ ساتویں صدی کے تاتاری فتنوں میں جہاں سینکڑوں جلیل القدر فضلا اور ان کی بے بہا تصانیف تلف ہو گئیں اگر ان کے ساتھ پارسی کی گنتی کی دس بیس کتابیں بھی ناپید ہو گئیں تو ان کا کیا شمار۔ مگر یہ کہنا بالکل مبالغہ نہ ہوگا کہ پارسی میں جو کچھ سواد قابل اعتنا تھے عربی میں منتقل ہو گئے۔ فتح ایران سے ایک صدی کے اندر اندر غازی کی اکثر کتابیں عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں

تراجم ہشام بن عبدالملک اموی نے جو ۱۰۵ھ میں تخت نشیں ہوا اپنے منشی جبلہ بن سالم سے جنگ رستم و اسفندیار، داستان بہرام چوبین اور فارسی کی بہت سی کتابیں ترجمہ کرائیں۔ اس نے ۱۱۳ھ میں ایک تاریخ عجم کا ترجمہ بھی کرایا جو ایران کی مفصل و مبسوط مصوّر تاریخ تھی اور مسعودی نے اسے ۳۰۳ھ میں شہر اصطخر میں دیکھا تھا[1]

خلافت عباسیہ کے مترجم بہرام بن مردان شاہ نے خداے نامہ جو شاہنامہ کا ایک اہم ماخذ ہے حاصل کرنا چاہا تو اسے اس کتاب کے بیس نسخے مل گئے۔ عربی میں اس کتاب کے آٹھ مختلف ترجمے حمزہ اصفہانی کی نظر سے گذرے ہیں[2]۔ عبداللہ بن المقفع مشہور فاضل و مترجم کتب پہلوی نے بھی اس کتاب کا اور آئین نامہ، سیکران، اور بہت سی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ خداے نامہ کے پانچ ترجمے پانچ شخصوں نے کیے[3] تاریخ دولت ساسانی کا ترجمہ ہشام بن قاسم اصفہانی نے کیا اور نیشاپور کے مشہور موبد بہرام بن مردان شاہ سے اس کی اصلاح و تصحیح کرائی۔

دیگر کتب پارسی ان عربی ترجموں کے علاوہ ہمیں عرب مصنفین کی کتابوں سے بہتیری قدیم پارسی کتابوں کا پتہ ملتا ہے اشکانی دور (۲۵۰ء قبل مسیح لغایۃ ۲۲۶ء) تک کا سرمایۂ علم حمزہ اصفہانی کے زمانہ تک یعنی ۳۵۰ھ تک ایران میں موجود تھا۔ وہ کہتا ہے کہ عہد ملوک الطوائف

---

[1] کتاب الاشراف مسعودی مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۰۶ [2] سنی ملوک الارض حمزہ اصفہانی صفحہ ۹ و ۱۹ [3] ایضاً صفحات ۹-۱۵۔ آثار الباقیہ مطبوعہ لیپزک صفحہ ۹۹۔

(اشکانیاں) میں کتاب مزدک، کتاب سندباد، کتاب برسناس، کتاب شیماس وغیرہ لکھی گئیں جو آج لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں اور ان کا شمار ستر کے قریب پہنچتا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں ففی ایامھم وُضِعتِ الکتب الّتی ھی فی ایدی الناس مثل کتاب مزدك وکتاب سندباد وکتاب برسناس وکتاب شیماس وما اشبھھا من الکتب التی تبلغ عددھا قریبا من سبعین کتابا[1]

جب اشکانیوں کے عہد قحط الرجال وطوائف الملوکی کی ستر کتابیں چوتھی صدی ہجری میں موجود تھیں تو اس سے قریب تر عہد ساسانی کے علوم کیوں غارت ہونے لگے تھے دوسرے پارسی اجزا، ورسائل جو عہد اسلام میں موجود تھے اور اسلامی کتابوں میں مذکور ہیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

شہزاد و پرویز (اردشیر کے خود نوشت وقائع) کارنامہ نوشیرواں، مزدک نامہ، بہرام وزرسی نامہ، کتاب التاج، کارنامہ اردشیر بابکان (شاہنامہ کا دوسرا اہم تر ماخذ)، جاماسپ نامہ، آئین بہمن، داراب نامہ، دانش افزائے نوشیروانی مولفہ بزرگ مہر (بزرجمہر) پاستان نامہ، دانشور نامہ، خرد نامہ،۔ بقول صاحب مجمع الفصحاء "فردوسی آثار و افعال ملوک عجم را ازاں نامہا بدست آوردہ"

[1] سنی ملوک الارض صفحہ ۳۰۔ اس دعوے کا ذمہ دار حمزہ اصفہانی ہے۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ اس تاریک عہد میں کوئی علمی حرکت ظاہر نہیں ہوئی۔

پارسی ادبیات کی اس لمبی فہرست سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سب عہد ساسانی کا سرمایہ تھیں۔ معدودے چند کے سوا جن کی تصریح پچھلے اوراق میں کی جا چکی ہے اکثر کتابیں عہد اسلام کی تالیفات ہیں۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام کی عالم افروز روشنی سے مجوس بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ ایک طرف نومسلم ایرانی عربی تصنیفات میں مصروف ہوئے تو دوسری طرف غیر مسلم ایرانی پہلوی جدید میں تالیفات کی طرف متوجہ ہوئے۔ جن پر اسلام کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ ان پارسی تصنیفات کا سلسلہ آٹھویں صدی ہجری تک جاری رہا۔

تاریخ ایران کا یہ ذخیرہ عہد غزنوی تک ایران میں عام تھا۔ مورخین اسلام طبری، مسعودی دینوری، یعقوبی، حمزۂ اصفہانی، ابو مشر، موسیٰ ابن عیسیٰ الکسروی اور ابن حوقل نے ان سے استفادہ کر کے ایران کی تاریخیں مرتب کیں۔ ان میں سے اکثر فردوسی کے وقت تک تصنیف ہو چکی تھیں۔ اور اس نے ان سے پورا پورا استفادہ کیا ہے اگرچہ اقرار نہیں کرتا[1] خود سرجان ملکم جو فاتحین عرب پر ادبیات عجم کی وحشیانہ تباہی کا الزام عائد کرتے ہیں، شاید بھولے سے ایک جگہ

[1] اوراق سابق میں تفصیل گذر چکی اس مسئلہ پر شعر العجم حصہ چہارم۔ اور زیادہ تر تاریخ علوم ایران پروفیسر براؤن جلد اول میں محققانہ بحث کی گئی ہے۔

فرماتے ہیں۔

"اجزا ایکہ مضامین شاہنامہ از ان گرفتہ شدہ است در زبان پہلوی بود ..... بعد از تالیف و ترتیب شاہنامہ نسخہائے قدیم بے اعتنائی از میان رفتہ است و اگر ہم احیاناً حفظ شدہ باشد محتمل است کہ در خزانۂ سلاطین غزنوی بودہ است، در ایں صورت باید در فتنۂ غوریاں کہ غزنیں بباد نہب و تاراج رفت ایں اجزا نیز از دست رفتہ و ضائع شدہ باشد[1]"

آپ نے دیکھ لیا کہ مسلمانوں نے پارسی ادبیات کی کیسی خدمت کی، کس طرح تراجم و التقاط و استفادہ سے ان کو محفوظ کیا جس کے بغیر شاید آج پارسی کی کتابوں کے نام سے بھی دنیا آشنا نہ ہوتی۔ اس حقیقت پر نظر کیجیے، خود معترض کے فقرۂ بالا کو پڑھیے، پھر فاتحین اسلام کے خلاف ان کی وہ ہنگامہ آرائی ملاحظہ فرمائیے جو تمہید میں مذکور ہوئی، اور فیصلہ کیجیے کہ سر جان ملکم کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے کہ جاہل فاتحین اسلام نے پارسیوں کے تمام علوم ملیامیٹ کر دیئے۔

پارسی فاضل کی شہادت رہا یہ اعتراض کہ فاتحین عرب نے ایرانیوں کی پامردانہ مدافعت سے طیش میں آکر

---

[1] تاریخ ایران جلد اول صفحہ ۶۵

ایران کے شہروں کو مسمار کر دیا، آتشکدوں کو آگ لگا دی پجاریوں اور موبدوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا اور پارسی ادبیات کے ساتھ ان کے قابضوں کو بھی مٹا دیا۔ کیا خوب ہو کہ اس سنگین الزام کا جواب خود پارسی فاضل کی زبان قلم سے ادا ہو۔ کیونکہ

الفضل ما شهدت به الاعداء

مسٹر زیمان مسٹر زیمان موصوف الصدر نے ایک روسی مستشرق موسیو الونسٹرائزیو کی محققانہ روسی تصنیف سے انگریزی میں ایک ترجمہ شائع کیا ہے اور آخر میں اصل ماخذوں کا ترجمہ بھی ضم کر دیا ہے۔ اس کا نام ہے ادبیات اسلام پر ایرانی اثرات

ایرانین انفلوئنس آن مسلم لٹریچر

ایک طرف سر جان ملکم اور پروفیسر آزاد اپنے "پارسی بھائیوں" کے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن ہی نہیں بلکہ ان کا ایمان اور مذہب عربوں کے ہاتھوں غارت ہونے پر رقت انگیز نوحہ خوانی میں مصروف نظر آتے ہیں، دوسری طرف اُن کے "پارسی بھائی" فرماتے ہیں:۔

غیر محققانہ طلاقتِ لسانی اور دل خوشکن مقرری کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ عربوں نے تہذیب ایران کے دماغی اور جسمانی تمام شعبوں پر ایسی جھاڑو پھیر دی کہ مجوسیوں کے متعلق کوئی معتبر ذریعہ

معلومات باقی نہیں رہا ..... خود عربی ادبیات عربوں کے ہاتھوں ایرانی مذہب و تمدن کے مٹائے جانے کی بے بنیاد کہانی کا ابطال کر رہی ہیں۔ تاریخ کے متفرق شعبوں اور جغرافیہ سائنس و فلسفہ پر عربی تصانیف ایرانی مذہب و تمدن کی تاریخ کے لیئے وسیع مواد بہم پہنچاتی ہیں"

یہ خود مسٹر زیمان کے مقدمہ یا دیباچہ کے الفاظ ہیں۔ کتاب کے حصہ ترجمہ میں روسی مصنف سے نقل کرتے ہیں۔

ایرانیوں کی فاتحانہ حیثیت مفقود ہونے کے بعد بھی اُنکے پیشوایان مذہب کی وقعت و حرمت ایرانیوں اور عربوں کی نظر میں یکساں قائم رہی۔ اسی طرح دہقانوں کی جماعت کا رتبہ بھی علی حالہ برقرار رہا اور یہی دہقان ایرانی روایتوں کے حامل تھے۔ فتح ایران کے بعد سالہا سال تک عرب آثار صنادید عجم کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور اپنی تصانیف میں وضاحت کے ساتھ اُن کے بیانات چھوڑ گئے ہیں۔ چنانچہ اصطخری و ابن حوقل[1] جو پانچویں صدی کے آغاز کے مصنف ہیں، بتاتے ہیں کہ تمام مدت عہد اُموی میں

---

[1] اصل تصنیف یعنی متن کیا ہے۔ فرانسیسی اور پھر انگریزی میں ترجمے ہوئے ہیں انگریزی ترجمہ اب سے ایک صدی پیشتر سر ولیم اوسلی نے کیا۔

کرمان کے اکثر مقامات کے باشندے کھلم کھلا اپنے دین (آتش پرستی)
پر قائم تھے۔ باشندگان فارس کا حصۂ غالب آتش پرست تھا اس
صوبہ کا کوئی قریہ اور گاؤں تک آتشکدہ سے خالی نہ تھا۔ قدیم عمارات،
قلعے، آتشکدے تمام فارس میں پھیلے ہوئے تھے۔ تقدسی کا بیان ہے
کہ غیر از کے آتش پرستوں کے لباس کے لیئے کوئی امتیازی علامت
نہ تھی اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں ان میں اور مسلمان
رعایا میں کوئی فرق نہ تھا۔ بے شبہہ فتح اسلام کے بعد پارسیوں کی
حالت نسبتہً اچھی تھی۔ کبھی کبھی کوئی چیز انھیں صدمہ پہنچاتی تھی
تو وہ اور اور ادیان و مذاہب کا جوش تعصب اور سازشیں
ہوتی تھیں۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً امرائے دولت کے مدارج تک
پہنچکر بڑے بڑے کارنامے انجام دے لیتے تھے مگر بالعموم یہ جماعت
الگ تھلگ اور سیدھی سادی زندگی بسر کرنے کی عادی تھی۔
اسی سبب سے یہ اپنے خصائص قومی اور شعار قدیمی پر قائم
رہ سکی۔ امتداد زمانہ کے بعد ان کی زندگی خراب سے خراب تر
ہوتی گئی۔ ان میں سے ایک ٹولی بتدریج مغربی ہند میں جا رہی۔
تمام پارسی ادبیات میں صرف ایک مقام پر ہم ترک وطن کا ذکر
پاتے ہیں مگر وہاں بھی اسقدر مبہم ہے کہ اصل واقعہ کا صرف

وضع الاساتان معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب کا نام قصۂ سنجان ہے اور سولھویں صدی عیسوی کے آخر کی تصنیف ہے۔ لہٰذا اسے قدیم گجرات کی ایک بقیہ گونج سمجھنا چاہیے۔ بہرحال اس کتاب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے تسلط کے بعد پارسی ایک سو سال تک پہاڑی علاقوں میں بسر کرتے رہے۔ پھر ہرمز کو منتقل ہو کے وہاں سے گجرات میں جا بسے۔ پھر اور تارکان وطن بھی خراسان سے آملے۔ اس سے بھی اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ پارسیوں کا ترک وطن تدریجی تھا۔ ورنہ یکبارگی اجتماعی ترک وطن کی صورت میں عربی تصانیف سے کوئی سُراغ ملنا چاہیئے تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی مسلّم ہے کہ ان کی معتدبہ تعداد اپنے وطن ہی میں رہی جن کی اولاد ایران کے موجودہ گبر ہیں۔

طبرستان کے اسپہبد جو خاندان ساسانی کے فوجی گورنر تھے۔ فتح ایران کے بعد پوری ایک صدی ۷۶۰ء تک آزادانہ اپنے ملک میں خود مختار حکمرانوں کی حیثیت سے حکومت کرتے رہے۔ ان کے سکے آجتک موجود ہیں۔ پھر اس زمانہ میں پارسیوں کا ایک محفوظ پارسی حکومت کو چھوڑ کر ہندوستان میں یکبارگی و مضطرانہ ہجرت کرنا قرین قیاس نہیں۔ مصنف موصوف اسی سلسلہ میں رقم طراز ہے:۔

مندرجۂ بالا بیان سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ عربوں کی فتح ایران کے بعد کئی صدیوں تک پارسی روایات ادبیہ اپنی قومی شکل میں موجود تھیں۔

عرب مصنفین قدیم فارسی کتابوں کی تلاش میں پارسی موبدون تک پہنچا کرتے، اور کامیاب ہوتے تھے..... محض انھی عرب مصنفین کی بدولت آج علمی مواد دنیا پر باقی رہ گئے ہیں جن میں سے بعض ساسانی عہد کی کتابوں کے (عربی) ترجمہ ہیں.....

ابن حوقل گیارھویں صدی کے وسط میں گذرا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ آج فارس میں کوئی ضلع یا شہر بلکہ گاؤں نہیں جہاں آتشکدے نہ ہوں..... یہ بڑے خوشحال، تجارت پیشہ، اور جہازران ہیں..... بہ آفرید کے نام سے عہد اسلام میں زرتشتی مذہب سے ایک فرقہ قائم ہوگیا تھا۔ اس کے واقعات سے ہمیں اسبات کی نہایت زبردست دلیل ملتی ہے کہ اس زمانہ میں زرتشتیوں کو صرف اپنے مذہب پر قائم رہنے ہی کا اختیار نہ دیا گیا تھا بلکہ البیرونی کے بیان کے مطابق قدیم زرتشتی اور یہ جدید فرقہ دونوں خلفاء کے زیر سایہ دوش بدوش شاد و مطمئن زندگی بسر کرتے تھے۔

حمداللہ مستوفی نزہتہ القلوب میں چودھویں صدی عیسوی کا

شاہدہ بیان کرتا ہو کہ الشتر ——— میں ایک قدیم آتشکدہ ہو
جس کا نام اردھش ہو ..... تیشتر کے قریب پرانے قلعے ہیں جن میں سے ایک کا
نام آتش گاہ (آتشکدہ) ہو ..... مقدسی کا بیان ہو کہ آتش پرست یہود و نصاریٰ
کی طرح اہل کتاب کے حقوق رکھتے ہیں"۔

پروفیسر براون اب ذرا ایران کی قوم اور علوم کے مسلم الثبوت شیدائی پروفیسر براون صاحب کی زبان سے بھی پارسیوں کے ساتھ عربوں کے برتاؤ کا حال سن لیجیے۔ وہ اپنی مشہور تصنیف تاریخ علوم ایران میں فرماتے ہیں:۔

اکثر کہا جاتا ہو کہ غازیان اسلام دو چیزیں پیش کیا کرتے تھے کہ ان میں سے کوئی ایک اختیار کر لو۔ قرآن۔ یا تلوار۔ مگر حقیقت یہ تھی۔ مجوسیوں عیسائیوں اور یہودیوں سب کو اپنے اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی تھی۔ صرف جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا جو بالکل منصفانہ انتظام تھا، کیونکہ خلفا کی غیر مسلم رعایا قانوناً فوجی خدمت اور ادائے صدقات سے بری تھی مگر مسلمانوں پر دونوں چیزیں بلا سبا فرض تھیں ..... بحرین میں پارسی مرزبان اور اس کے کچھ ہموطن مسلمان ہو گئے اور باقی فی مرد بالغ ایک دینار جزیہ قبول کر کے اپنے دین زرتشتی پر قائم رہے۔ مجوسی اور یہودی اسلام کے سخت دشمن تھے اور جزیہ دینے کو ترجیح دیتے تھے .....

جو شہر مسلمانوں کی ملافت میں زیادہ مزاحم ہوتے ۔۔ خصوصاً وہ شہر جو ایک دفعہ ہتھیار ڈال دینے کے بعد دوبارہ بغاوت کر بیٹھتے ۔۔ ان کا بچنا آسان نہ تھا۔ بالخصوص، آخر الذکر صورت میں قابل جنگ مرد یا کم از کم جو مسلح پائے جاتے ۔۔ تہ تیغ کر دیے جاتے اور ان کی

عورتیں اور بچے اسیر کر لیے جاتے تھے۔ تاہم یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مجوسیوں پر مجوسی ہونے کی بنا پر کوئی ظلم کیا گیا ہو یا ایران کو بزور مسلمان بنایا گیا ہو ..... اس میں شک نہیں کہ عرب میں نو مسلم اور اسیر جنگی ایرانیوں کے غیر محدود ہجوم نے حضرت عمر کو کچھ متفکر کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ "الٰہی ان اسیران جلولہ کی اولاد سے تیری پناہ" اور درحقیقت واقعات نے آپ کے تردد کو بجا ثابت کر دیا۔ آپ انھیں ایرانی اسیروں میں سے ایک کے خنجر سے شہید ہوئے جسے عرب ابولولو کہتے تھے۔ ایران کے زیادہ تعصب شیعی آج تک اسی حادثہ کو مسرت کے ساتھ یاد کیا کرتے ہیں اور کچھ ہی عرصہ ہوا کہ "عمر کشاں" کے نام سے آپ کی برسی منایا کرتے تھے .....

"اب دین زرتشتی اگرچہ دین سلطانی کے رتبہ سے تو گر گیا تاہم ایران سے بالکل نہ مٹا۔ جن لوگوں نے دین اسلام قبول نہ کیا اور اپنے آبائی مذہب مجوسیت پر قائم رہے ان کی تعداد صرف اُن تارکان وطن ہی تک محدود نہ تھی جو عرب حملوں سے پہلے جزائر خلیج فارس کو اور وہاں سے ہندوستان بھاگ گئے جہاں انھوں نے پارسی نو آبادیاں قائم کر لیں جو اب تک بمبئی اور سورت میں اور اُنکے آس پاس موجود ہیں بلکہ یہ جماعت تو مجموعی پارسی آبادی کا ایک جزو قلیل تھی ..... مجوسیوں کا اثر اور احترام اب تک قائم تھا۔ عامدین خلافت سے انکے تعلقات اچھے تھے پارسیوں کو ایک حد تک حکومت خود اختیاری حاصل تھی آتشکدوں کو ایسی حالت میں بھی جب انکے انہدام کا قانوناً اعلان کر دیا جاتا تھا عملاً شاذ و نادر ہی صدمہ پہنچایا جاتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات مسلمان حکام کو ایسے لوگوں کو سخت سزائیں دیتے تھے جو نامعقول جوش دینی میں آتشکدوں کو کوئی نقصان پہنچا دیتے یا برباد کر دیتے تھے۔ فتح ایران کے بعد تین صدیوں تک قریب قریب ہر صوبہ ایران میں آتشکدے موجود تھے۔ حالانکہ آجکل ہوم شیفڈلر کے باعزم و احتیاط شمار کے موافق ایران کے تمام آتش پرستوں کی مجموعی آبادی صرف ساڑھے آٹھ ہزار کے قریب پہنچتی ہے۔"

تصحیح اغلاط فاحش

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
عنوان		سلام	اسلام
۴	۳	رضا علی	رضا قلی
۴	آخر	جانوروں	جانوں
۸	۸	پاتھیا	پارتھیا
۹	۱۴	کونان	کو یونان
۱۷	۷	دوسری	دوسری کو
۱۹	۹	وغیرہ	وغیر
۲۰	۹	ارمی	کہ ارامی
۲۲	۳	۱۰۶۶ء	۱۰۶۶ء
۲۳	۳	ملوک	ملوک
۲۴	۱۲	عادی	عادی
۲۴	۱۳	گیلن	جالینوس
۳۲	۷	چلو اصاف	چلو، صاف
۴۱	۴	دخل ہے	دخل؟
۴۴	۶	پیشدادی	کیانی
۴۸	آخر	کہانیوں چنداں	کہانیوں میں چنداں
۶۰	۷	اسی	اس
۶۰	۱۷	حکام کو ایسے	حکام ایسے

دیگر کتب مؤلف

معتقداتِ عجم

عہد زرتشت سے لیکر موجودہ صدی تک ایران کے عقائد مذہبی کی جامع تاریخ جس میں مستقل مذاہب کے علاوہ اُن مدعیانِ نبوت والوہیت کے حالات اور عقائد سے بحث کی گئی ہے جو اسلام کی نقاب میں ظاہر ہو کر اسلامی حکومت واقتدار کی بیخکنی کے ساعی رہے اور جن کے عقائد کی جھلک موجودہ اسلام میں موجود ہے۔ ... ... قیمت فی جلد عہ

وکلائے مرافعہ

ایران کے موجودہ روزمرہ میں مرزا جعفر قراچہ داغی کا جدید فارسی ڈراما، جو ہندوستان میں پہلی مرتبہ طبع کیا گیا۔ مع حواشی حل لغات ومحاورات جدیدہ ومقدمہ از پروفیسر محمد مسلم قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ:-

(۱) پروفیسر محمد مسلم ایم اے، ایم۔ او۔ ایل سینٹ کولمبا زکالج ہزاری باغ (بہار)

(۲) منیجر الناظر بک ایجنسی۔ لکھنؤ۔

(۳) منیجر مسلم یونیورسٹی بک ڈپو۔ علی گڑھ

مؤلف نے "مطبع جامعہ ملیہ" صدر بازار دہلی سے باہتمام مسٹر محمد مجیب بی۔ اے آکسن اطبع کرا کے شائع کیا